يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ''۔(سورہ نساء: ۲۹)

رسوم زدہ ماحول میں سنت کی روشن کرن۔

ایک ایسی کتاب جو آپ کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی لائے۔

شادی یوں بھی ہوتی ہے!

مرتب: مولانا محمد نصر اللہ

فاضل: جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا، لودھراں۔

مدرس: مدرسہ حضرت علی المرتضیٰ خانواہ، لودھراں۔

تلمیذ: محدث دوراں، حکیم العصر، الشیخ **حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی** رحمہ اللہ

سابق شیخ الحدیث: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا، لودھراں۔ سابق امیر مرکزیہ: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

اس کتاب میں جہیز، نیوتہ اور بارات کی شرعی حیثیت پر علمی بحث کی گئی ہے۔ نیز ان رسوم کے متعلق ہر مسلک کے علماء کی آراء کو پیش کر کے ثابت کر دیا گیا ہے کہ یہ رسوم بالاتفاق خلافِ شریعت اور مسلمانوں کے لیے زہرِ قاتل ہیں۔ زمانہ سرورِ کونین ﷺ، صحابہ کرامؓ اور عصرِ حاضر میں ہونے والی سادہ اور آسان شادیوں کے واقعات بھی کتاب کا حصہ ہیں۔

ناشر: مکتبہ دارالکتاب غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور۔

نام کتاب ——— شادی یوں بھی ہوتی ہے

مرتّب ——— مولانا محمد نصراللہ صاحب

اہتمام ——— مولانا سعید احمد معاویہ، قاری محمد سردار صاحب

رابطہ نمبر:0309-3313309, 0307-5063252

کمپوزنگ ——— ابوانس وعلی

ناشر:

ملنے کے پتے

(لودھراں) مولانا سعید احمد۔قاری خلیل الرحمٰن۔03075063252

(بہاول پور) مکتبہ مدنیہ ماڈل ٹاؤن بی بہاولپور۔ 0 3 0 0 4 9 4 4 5 6 2۔مکتبہ

صفدریہ:03017790908۔مکتبہ اشرفیہ۔مولانا محمد مدنی:03029592382

فہرست مضامین

رائے گرامی: حضرت مولانا سعید احمد معاویہ صاحب، مدظلہم

فاضل: جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا، امام وخطیب: جامع مسجد عباسیہ، شورکی منڈی لودھراں۔

امت کی راحت صرف اور صرف اتباع سنت میں منحصر ہے۔آپ کے ہاتھوں میں جو کتاب ہے، اس کی غرض یہی ہے۔ ہماریاں شادیاں جب تک سنت کے موافق نہیں ہوں گی، اس وقت تک پریشانیاں ہمارا مقدرر رہیں گی۔شادی ایک سنت عمل ہے، تو سنت کو صاحبِ سنتﷺ کے طریقہ کے مطابق انجام دینا ہی باعثِ شرف ونجات ہے۔کتاب کے مرتب برادرم مولانا محمد نصراللہ صاحب کواللہ تعالیٰ نے شروع سے ہی یہ ذوق عطاء فرمایا ہے کہ یہ بدعت اور رسوم ورواج کے مقابلہ میں احیائے سنت کی کوشش میں مگن ہیں۔

چنانچہ اسی غرض سے موصوف نے ''شادی یوں بھی ہوتی ہے'' کے نام سے کتاب ترتیب دی ہے؛ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔آپ خود کتاب کا مطالعہ کر کے محسوس کریں گے کہ مرتّب نے کس قدر جانفشانی سے کام لے کر اس کو ترتیب دیا ہے۔مَیں اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میرے علم کے مطابق جہیز، بارات اور نیوتہ کے متعلق مفصّل بحث آپ اس کتاب کے علاوہ کہیں نہیں پائیں گے۔

اس کتاب کی جو سب سے بڑی خوبی ہے؛ وہ یہ ہے کہ مرتب نے ہر مسئلہ کی تائید میں حضرات اکابرؒ کی کتب سے دلائل کے انبار لگا دیے ہیں، اور کوئی مسئلہ بغیر حوالہ کے نہیں ہے۔ اور اس کتاب کی دوسری خوبی یہ ہے کہ مرتب نے کتاب میں بیان کردہ مسائل، جہیز وبارات کے متعلق صرف اپنے ہی اکابرؒ پر انحصار نہیں کیا؛ بل کہ ہر مسلک کے علماء کی آراء کو پیش کر کے ثابت کر دیا ہے کہ ان چیزوں کا غلط اور خلافِ شریعت ہونا، کسی ایک مسلک کا مؤقف نہیں؛ بل کہ ان رسموں کے غلط اور خلاف شریعت ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔اب جب کہ مولانا صاحب نے ہر مسلک کے علماء کرام کے حوالے پیش کر دیے ہیں، تو ہر مسلک والے کو چاہیے کہ وہ اپنے اکابر کے ارشادات کی روشنی میں ان رسوم کو چھوڑ دے۔اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں قبول فرمائے، آمین۔

عرضِ مرتب

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زندگی گزارنے کے لئے قرآن وسنت کی شکل میں ایک دستور حیات عطا فرمایا۔جن لوگوں نے اس دستورِ حیات کے مطابق اپنی زندگیاں گزاردیں، وہ دنیا میں بھی کامیاب رہے اور آخرت بھی بنا گئے ۔جن لوگوں نے اس مقدس دستورِ حیات سے منہ موڑا، آخرت کی ناکامی تو ان کا مقدر بنے گی ہی، دنیا ہی میں وہ ذلیل وپریشان رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سرورکائنات حضرت محمد ﷺ کی ذات عالی کو ہمارے لیے ایک نمونہ بنا کر بھیجا، حضور اقدس ﷺ کو دیکھ دیکھ کر ہمیں اپنی زندگی کا ہر کام سرانجام دینا چاہیے۔شادی،غمی،معاشرت، تجارت،عبادت، معاملات وغیرہ حضور اکرم ﷺ کے مقدس اسوہ کے مطابق بجالانے چاہییں۔ حضور اکرم ﷺ کے طرز کے مطابق جو بھی زندگی گزارے گا وہ کبھی پریشان نہ ہوگا،مثلاً: جو شخص شادی سنت کے مطابق کرے گا،اسے کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔اور جو سنت سے منہ موڑ کر رسم ورواج کے تحت شادی کرے گا وہ قرضوں اور بے شمار پریشانیوں میں جکڑ جائے گا۔

دین اسلام میں شادی ایک نہایت ہی آسان عمل ہے، جانبین کی رضامندی کے ساتھ ہی رخصتی،مہر اور اگلے دن حسب استطاعت ولیمہ، بس یہی ہے شادی، اس کے علاوہ سب بکھیڑے ''ایجادِ بندہ'' ہیں۔اس رسالہ میں ہم نے شادی کے چند اہم منکرات کی نشاندہی کی ہے،ان کے چھوڑ دینے سے شادی ''سادی'' بن جاتی ہے اور یہی رحمتوں وبرکتوں کا سبب بھی ہے۔

بندہ نے اس رسالہ میں شادی کی تمام رسوم کا جائزہ لینے کی بجائے،صرف چند رسوم منتخب کی ہیں،اس کی وجہ یہ ہے، کہ اگر صرف ان ہی رسوم کو چھوڑ دیا جائے؛ جو اس رسالہ میں مذکور ہیں، تو ان شاءاللہ تعالیٰ باقی رسوم کا نام ہی نہیں رہے گا۔ یہ چند رسمیں ''امہات الرّسوم'' ہیں۔جب یہ ختم ہوگئیں،تو یوں کہنا سچ ہوگا:''نہ رہے بانس نہ بجے بانسری''۔

رسالہ کے حوالہ سے چند باتیں نوٹ فرمالیں۔اس رسالہ میں مرتب نے کوشش کی ہے کہ

جہیز وبارات وغیرہ کے متعلق صرف اپنے ہی علماء کی آراء کو پیش کرنے کی بجائے، ہر مسلک کے علماء کی آراء پیش کی جائیں؛ تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ مؤقف کسی ایک مسلک کے ساتھ خاص ہے۔ ان شاء اللہ! آپ بنظرِ خود ملاحظہ فرمالیں گے کہ اس بات کا کتنا اہتمام کیا گیا ہے۔ آپ حضرات کو اکابرؒ کی تحقیق سے ہٹ کر کوئی بحث محسوس ہو اور وہ بے حوالہ ہو، تو آپ اصلاح کی نیت سے مرتب کو متوجہ کریں۔ اگر حوالہ موجود ہو تو پھر عمل کریں۔

رسالہ کا مرتب اس بات کا قائل ہے کہ اپنی بیٹی کے ساتھ خوب صلہ رحمی کی جائے، وراثت سے اسے حصہ دیا جائے، شادی کے بعد اس کی خوب خدمت کی جائے۔ اپنی استطاعت کے مطابق ہر موقع پر اس کا تعاون کیا جائے۔ داماد غریب ہو، تو اس کی بھی معاونت کی جائے۔ لیکن بوقتِ رخصتی مروّج طرز پر دینا بالکل غیر اسلامی ہے۔ اس کے دلائل آپ باحوالہ رسالہ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ رسالہ میں جہاں بھی جہیز کی تردید ہے، اس سے مراد وہ جہیز ہے، جس میں ضروریاتِ زندگی کی تمام اشیاء وافر مقدار میں موجود ہوتی ہیں، اور سسر اپنی ذمہ داری اور فریضہ سمجھ کر داماد کو دے رہا ہوتا ہے، تاکہ میری بیٹی کو کوئی طعنہ نہ سننا پڑے۔

رسالہ میں ''شادی یوں بھی ہوتی ہے'' کے عنوان سے سنت سے معمور شادیوں کے خوبصوررت واقعات بھی موجود ہیں، جو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے نہایت محنت سے کتبِ احادیث اور کتبِ اکابر سے تلاش کر کے آپ کے دامن میں بکھیر دیے ہیں۔ تمام قارئین سے دردمندانہ گزارش ہے کہ وہ بندہ کے لیے ''خاتمہ بالخیر'' کی دعا کریں۔

میری حضرات علماء کرام اور دین سے محبت رکھنے والے لوگوں سے نہایت ہی عاجزانہ گزارش ہے، کہ اپنے تمام معاملات قرآن وسنت کے موافق سرانجام دینے کی کوشش فرمائیں۔ بالخصوص شادی اور غمی، یہ دو مواقع ایسے ہیں کہ عصرِ حاضر میں شرع کی پرزور مخالفت ان ہی میں ہوتی ہے۔ کم از کم ہم لوگ جو دین کے نام لیوا ہیں، ہماری شادی غمی میں تو ایسی کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے، جو ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کے خلاف ہو۔

جب ہم لوگ آسان شادیاں کریں گے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ عام لوگوں میں بھی تبدیلی کے اثرات نظر آئیں گے۔ یہ محنت اسی لیے کی گئی ہے، تاکہ ہم سب شادی کا مسنون طریقہ جان کر، پھر عمل کر کے لوگوں کو یہ بتا سکیں کہ: ''شادی یوں بھی ہوتی ہے''۔

برادرم مولانا سعیداحمد معاویہ صاحب (خطیب: جامع مسجد عباسیہ لودھراں) محترم قاری محمد سردار صاحب (مدرس: جمعیت تعلیم القرآن خانواہ، لودھراں) اور حضرت مولانا حافظ محمد ندیم صاحب (مکتبہ: دارالکتاب اردو بازار لاہور) انتہائی شکریہ کے مستحق ہیں؛ جن کے تعاون سے یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب پر سب سے پہلے مجھے اور پھر سب مسلمانوں کو عمل کرنے کی توفیق وہمت عطاء فرمائے اور اپنی بارگاہِ عالیہ میں اسے قبول فرما کر ذخیرہ آخرت بنادے! آمین ثم آمین۔

برادرم مولانا پروفیسر محمد مدنی صاحب (بہاول پور) اور بھائی فیض الحق صاحب (لودھراں) کا بھی تعاون رہا، فجزاھم اللہ تعالیٰ۔ تمام تر احتیاط کے باوجود غلطی اور لغزش کا امکان موجود ہے، اس لیے اہلِ علم کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر وہ کتاب میں کسی قسم کی غلطی محسوس کریں، تو بندہ ناچیز یا ناشر کو ضرور مطلع کریں، تا کہ اصلاح کی جاسکے۔

محمد نصر اللہ

فاضل: جامعہ باب العلوم کہروڑپکا لودھراں

مدرس: جمعیت تعلیم القرآن خانواہ، لودھراں

0309-3313309

فصل اول:

رسمِ جہیز کا تحقیقی جائزہ

جہیز کو سنت کہنا صحیح نہیں ہے:

اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مبارک ادوار میں جہیز نامی کسی چیز کا نام ونشان نہیں ملتا، ان حضرات کی شادیاں جہیز کے بغیر ہی انجام پایا کرتی تھیں۔ جب قرونِ ثلٰثہ میں اس کا وجود ثابت نہیں ہے، تو اسے سنت کہنا بالکل غلط ہے۔ ہم آپ کو یہ بات آسانی سے سمجھانے کے لئے سنت کی تعریف ذکر کرتے ہیں جس کو پڑھ کر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جہیز قطعاً سنت نہیں۔

سنت کی تعریف:

نورالانوار میں ہے:۔السنة هي الطريقة المسلوكة في الدين...." سنت دین کا وہ پسندیدہ معمول ومروّج طریق ہے جوخواہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہو یا آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو۔اس کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے:" تم پر لازم ہے کہ میرے طریق اور میرے بعد آنے والے خلفائے راشدینؓ کے طریق کو اپناؤ اور اسے دانتوں سے مضبوطی سے تھام لو"۔(مشکوۃ:۱/۳۰)(نورالانوار:۱۷۸۔اصول الشاشی:۲۲۲)

مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:" سنت اس کو نہیں کہتے کہ حضور ﷺ سے محض ثابت ہو، بلکہ سنت اس کو کہتے ہیں کہ جو حضور ﷺ کی عادتِ غالبہ ہو"(تحفة العلماء:۲/۱۲۰)

معلوم ہوا کہ سنت کے لئے اس کا رائج ہونا اور عادت ہونا ضروری ہے، مثلاً:

۱۔ آنحضرت ﷺ کبھی ایک کپڑا بھی پہنتے، کبھی دو، مگر عادت مبارکہ تین تین کپڑوں کی تھی، تہہ بند، قمیص اور عمامہ، تو تین کپڑوں کو سنت کہا جائے گا۔

۲۔ اعضائے وضو کو ایک ایک مرتبہ، دو دو مرتبہ دھونا آپ ﷺ سے ثابت ہے، مگر یہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ نہ تھی، عادت مبارکہ تین تین دفعہ دھونے کی تھی، اس لیے یہ سنت ہے۔

۳۔ بیوی سے روزہ میں بوس و کنار ثابت ہے، مگر عادت نہ تھی۔ ہاں روزہ کے لئے سحری کھانا آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی، اس لیے اسے سنت کہا جائے گا۔

٤۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر بھی پانی پیا ہے، لیکن آپ کی عادتِ مبارکہ بیٹھ کر پینے کی تھی، لہٰذا بیٹھ کر پینا ہی سنت ہے۔

سنت کی تعریف معلوم ہو جانے کے بعد آپ' حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شادیوں کے واقعات کتبِ احادیث و سیر میں پڑھیے، آپ کو کسی شادی میں جہیز نامی چیز کا تذکرہ نہیں ملے گا۔ معلوم ہوا جہیز اس مبارک دور میں معمول و مروّج نہ تھا، لہٰذا اسے سنت کہنا بالکل خلافِ واقعہ اور غلط ہے۔ جو لوگ اسے سنت کہتے ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شادیوں میں اسے معمول و مروج ثابت کریں، اور معمول و مروّج چیز کا کتب احادیث میں تذکرہ نہ ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

جہیز کے حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں معمول و مروج نہ ہونے کے دلائل:

۱۔ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الھبہ میں ایک باب قائم کیا ہے، جس کا عنوان ہے" باب الاستعارة للعروس عندالبناء"، یعنی" دلہن کے واسطے رخصتی کے وقت کپڑے کا مانگ لینا"۔ اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے؛ جس کا ترجمہ یہ ہے:

> حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:" رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں میرے پاس ایک قمیص تھی۔ جب مدینہ میں کسی عورت کو دلہن بنایا جاتا تو وہ قمیص عاریتاً مجھ سے طلب کی جاتی"۔(بخاری شریف:۳۲۷/۳، کتاب الھبہ)

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جہیز کا بالکل رواج نہ تھا۔ جہیز کی موجودگی میں ایک قمیص کا عاریتاً طلب کیا جانا مضحکہ خیز ہے۔ کیونکہ وہ جہیز ہی کیا جس میں اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑے نہ ہوں۔ (بندہ کے زیرِ مطالعہ" صحیح بخاری" کا جو نسخہ ہے، وہ بیروت کا

مطبوعہ ہے،اس رسالہ میں اسی کے مطابق حوالے درج کیے گئے ہیں)اس حدیث میں مروجہ جہیز جس میں ضروریاتِ زندگی کی تمام چیزیں ضرورت سے زائد وافر مقدار میں موجود ہوتی ہیں، کس قدر رتر دید ہے؟اس میں تو دلہن کے لیے کپڑے بنانے کی بجائے مانگ لینے کا ذکر ہے۔

۲۔ بخاری شریف ہی میں ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

''نبی کریم ﷺ سے جب میرا نکاح ہوا تو میری عمر چھ سال تھی۔ پھر ہم مدینہ آ گئے اور بنی حارث کے ہاں قیام کیا۔ یہاں آ کر آب وہوا کی تبدیلی کی وجہ سے مجھے بخار ہو گیا اوراس کی وجہ سے میرے بال گرنے لگے۔ پھر جب صحت مند ہونے کے بعد کندھوں تک بال خوب لمبے ہو گئے ،تو ایک دن میری والدہ ام رومانؓ آئیں، میں اس وقت جھولا جھول رہی تھی۔ میرے پاس چند سہیلیاں بھی تھیں۔ ماں نے مجھے آواز دی تو میں ان کے پاس چلی گئی۔ مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ ماں کا کیا پروگرام ہے۔ ماں نے میرا ہاتھ پکڑا اور گھر کے دروازے پر کھڑا کر دیا۔(جھولا جھولنے کی وجہ سے)میرا سانس پھولا ہوا تھا۔ جب سانس نارمل ہوا تو ماں نے تھوڑا سا پانی لیا،اسے میرے چہرے اور سر پر پھیرا۔ پھر مجھے گھر کے اندر داخل کر دیا۔

وہاں انصار کی چند عورتیں موجود تھیں،انہوں نے میری آرائش کی۔اس کے بعد دن چڑھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔میری ماں نے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا''۔(بخاری:۱۳۵/۵۔کتاب،مناقب الانصار،باب تزویج عائشہؓ)

طریقِ استدلال:

صرف یہ ایک حدیث عصرِ حاضر کی شادی کی تمام رسوم کے رد کے لیے کافی ہے۔اب ہمارا دعویٰ کہ جہیز اُس مبارک دور میں مروّج نہ تھا،اس حدیث سے یوں ثابت ہوتا ہے،اگر سیدہ عائشہؓ کی والدہ اس موقع پر جہیز کا انتظام کر چکی ہوتیں تو سیدہ عائشہؓ کو خبر ہوتی کہ اب فلاں دن میری رخصتی ہونے جارہی ہے،لیکن سیدہ فرماتی ہیں کہ مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ یہ کیا ہونے جارہا ہے۔

ہمارے ہاں شادی کے دن قریب آتے ہی گھر جہیز کے سامان سے بھر جاتا ہے۔کبھی فرنیچر آرہا ہے،کبھی پیٹی آرہی ہے تو کبھی کپڑے بستر وغیرہ،جس سے لڑکی کو معلوم ہو جاتا ہے کہ میرے جانے کے دن قریب آ گئے ہیں ،لہٰذا وہ محتاط ہو جاتی ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ

سیدہ عائشہؓ کی رخصتی کے موقع پران کے گھر میں سامان کی کوئی ریل پیل نہ تھی، ورنہ وہ اتنی بے فکر نہ ہوتیں اور سہیلیوں کے ساتھ کھیل نہ رہی ہوتیں۔

۳۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کو مہر میں کچھ سامان دیا؛ جس کی قیمت دس درہم تھی''۔اورابن اسحاقؒ سے مروی ہے کہ ایک بستر، ایک رکابی، ایک پیالہ اورایک چکی تھی۔(سیرت النبی لابن هشام:٣٢٢/٤،سیرة المصطفیٰ:٣٠٦/٣)

رسول اللہ ﷺ ضرورت سے زائد سامان کو شیطان کا حصہ قرار دیتے تھے،آپ ﷺ کا حضرت ام سلمہؓ کو بوقتِ شادی یہ سامان دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے ساتھ جہیز نہ لائی تھیں۔اگر ان کے پاس جہیز بھی تھا،اس کے باوجود آپ ﷺ نے مزید یہ سامان بھی مرحمت فرمایا،تو یہ آپ کی تعلیمات کے خلاف ہے۔آپ اپنی تعلیمات کے خلاف کرتے ہوں، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

٤۔ حضرت ابوسعید خُدریؓ فرماتے ہیں کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے ایک گھر کے سامان (مہر) کے عوض نکاح کیا؛ جس کی قیمت پچاس درہم تھی''۔(سنن ابنِ ماجه: ١٣٧)

یہ حدیث بھی اس باب میں واضح ہے کہ حضرت عائشہؓ بغیر جہیز کے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں تشریف لائی تھیں، بلکہ گھر کی ضروریات کا انتظام آپ ﷺ ہی نے کیا۔

٥۔حضرت اسماء بنتِ ابی بکرؓ فرماتی ہیں: مَیں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اورعرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! میرے پاس ہر چیز زبیرؓ (یعنی شوہر) کی دی ہوئی ہے،اگر میں اس سے کچھ فقراء کو دے دوں،تو کیا گناہ گار ہوں گی؟''۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''جہاں تک استطاعت ہو، دے دیا کرو''۔

(بخاری شریف:٣١٤/٣، کتاب الهبه، سنن نسائی: ٢٩٠/١)

حضرت اسماءؓ کا عرض کرنا کہ میرے پاس سب مال ومتاع میرے شوہر ہی کا دیا ہوا ہے،اس بات کی واضح دلیل ہے کہ دورِرسالت ﷺ میں جہیز کا ہرگز رواج نہ تھا، بلکہ شوہر ہی گھر کی ضروریات فراہم کرنے کے ذمہ دار تھے۔

ہم،رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جہیز کے معمول ومروّج ہونے کے انکاری ہیں، جولوگ اس کے داعی ہیں،ان کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اسے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں معمول ومروّج ثابت

کریں۔ان حضرات کے پاس صرف ایک دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہؓ کوجہیز دیا تھا۔اس پر ہم ان شاء اللہ مفصّل بات کریں گے۔اگراختصار مدِّنظر نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم اوردلائل بھی زمانہ نبوی سے ضرور پیش کرتے۔بہرحال ہم نے سنت کی جوتعریف لکھی ہے،اس کوسامنے رکھنے اوران دلائل کودیکھنے کے بعدجہیزکوسنت کہنے کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔

دورِرسالت میں متعارف جہیز کے نام سے بھی لوگ واقف نہ تھے،اب بھی عرب میں شادی کے موقع پر جہیز نامی کوئی چیز موجود نہیں۔اس کی دلیل کےطور پر مندرجہ ذیل واقعہ کافی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''چندسال پہلے شام کے ایک بزرگ شیخ عبدالفتاح ہمارے یہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔اتفاق سے ایک مقامی دوست بھی اسی وقت آ گئے اور جب انہوں نے ایک عرب بزرگ کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو ان سے دعا کی درخواست کرتے ہوئے کہا کہ''میری دو بیٹیاں شادی کے لائق ہیں،دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی شادی کے اسباب پیدا فرمادے''۔شیخ نے ان سے پوچھا کہ مناسب رشتہ نہیں مل رہا؟اس پر انہوں نے جواب دیا کہ''رشتہ تو دونوں کا ہو چکا ہے،لیکن میرے پاس اتنے مالی وسائل نہیں ہیں کہ ان کی شادی کرسکوں''۔شیخ نے یہ سن کر انتہائی حیرت سے پوچھا''وہ آپ کی لڑکیاں ہیں یا لڑکے ہیں''؟

کہنے لگے کہ لڑکیاں ہیں۔شیخ نے سراپا تعجب بن کر کہا''لڑکیوں کی شادی کے لئے مالی وسائل کی کیا ضرورت ہے''؟۔انہوں نے کہا کہ''میرے پاس انہیں جہیز میں دینے کے لئے کچھ نہیں ہے''۔شیخ نے پوچھا''جہیز کیا ہوتا ہے''؟(اس سے معلوم ہوا کہ جہیز سنت نہیں،اگر سنت ہوتا تو شیخ یوں سوال نہ کرتے)اس پر حاضرین مجلس نے انہیں بتایا کہ ہمارے ملک میں رواج ہے کہ باپ شادی کے وقت اپنی بیٹی کو زیورات، کپڑے،گھر کا اثاثہ اور بہت سا ساز وسامان دیتا ہے،اسے جہیز کہتے ہیں۔اور جہیز دینا باپ کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے،جس کے بغیر لڑکی کی شادی کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور لڑکی کے سسرال والے بھی اس کا مطالبہ کرتے ہیں۔

شیخ نے یہ تفصیل سنی تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ ''کیا بیٹی کی شادی کرنا کوئی جرم ہے جس کی یہ سزا باپ کو دی جائے''؟۔ پھر انہوں نے بتایا کہ ''ہمارے ملک میں اس قسم کی کوئی رسم نہیں ہے۔ اکثر جگہوں پر تو یہ لڑکے کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے کہ اپنے گھر میں دلہن کو لانے سے پہلے گھر کا اثاثہ اور دلہن کی ضروریات فراہم کر کے رکھے، لڑکی کے باپ کو کچھ خرچ کرنا نہیں پڑتا۔ اور بعض جگہوں پر رواج یہ ہے کہ لڑکی کی ضروریات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے سامان تو باپ ہی خریدتا ہے، لیکن اس کی قیمت لڑکا ادا کرتا ہے۔ البتہ باپ اپنی بیٹی کو کوئی مختصر تحفہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے، لیکن وہ بھی کچھ ایسا ضروری نہیں سمجھا جاتا ہے''۔(بنات عائشہؓ،صفر:١٤٢٧ء)

اس سے معلوم ہوا کہ عرب لوگ اب تک بھی جہیز سے ناواقف ہیں، یہ ہندوستان کی رسوم میں سے ایک ہے۔ جہیز کا لغوی معنی ہے ضرورت کا انتظام و بندوبست کرنا، ہمارے ہندو پاک میں جہیز کا مطلب اور ہے، کہ بیٹی کی شادی کے موقع پر اس کی آئندہ ضروریاتِ زندگی کا اتنا وافر سامان دینا کہ جو اس کی اولادیں بھی استعمال کرتی رہیں، جب کہ قرآن وسنت میں جہیز اس معنیٰ میں مستعمل نہیں ہے۔ ضرورت کا انتظام کرنے اور اسراف وفضول خرچی کر کے، قرض اٹھا کر ہر چیز مہیا کرنے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل دلائل میں غور کریں۔

١۔ حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ بن چکے تھے، ان کے برادران غلہ لینے ان کے ہاں آئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو غلہ دیا، اس واقعہ کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا: ''فلما جهزهم بجهازهم'' یعنی ''پھر جب تیار کر دیا ان کے واسطے اسباب ان کا'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) اس آیت میں بھائیوں کو غلہ دینے کے متعلق لفظ ''جهّز'' استعمال ہوا ہے۔ یہاں لفظ ''جهّز'' سے مراد متعارف جہیز نہیں؛ بلکہ ضرورت کی چیز یعنی غلہ دینا مراد ہے۔

٢۔ صحیحین وغیرہ میں حدیث ہے: ''من جهز غازيا في سبيل الله فقد غزا'' اس حدیث کا ترجمہ ہے: ''جس نے کسی غازی کو سامانِ حرب فراہم کیا، اس نے بھی جہاد کیا''۔ اس حدیث میں غازی کو سامانِ حرب فراہم کرنے کو ''جهز'' سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کا مطلب جہیز دینا نہیں بلکہ

جنگی ضرورت کا، فراہم کرنا ہے۔

۳۔ بخاری شریف میں حدیث ہے: ''من جهز جيش العسرة فله الجنة'' ''جو شخص کمزور فوج کا سامان کردے، اس کے لیے بہشت ہے''۔ "فجهز عثمان": ''حضرت عثمانؓ نے اس کا سامان کر دیا''۔ (بخاری: ۷۵/۵، کتاب المناقب) اس حدیث میں غزوہ تبوک میں سامان دینے کو آپ ﷺ نے "جهز" سے تعبیر فرمایا ہے۔ فجهز عثمان، اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے جہیز دیا؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ضرورت کا سامان دیا۔

امام نسائیؒ نے یہی معنیٰ ذہن میں رکھتے ہوئے عنوان قائم کیا ہے "جهاز الرجل ابنته" اس کا صحیح مفہوم ہے: ''آدمی کا بیٹی کے لیے ضرورت کا سامان تیار کرنا''۔ لیکن جہیز کا اثر اتنا ذہن میں بیٹھ چکا ہے کہ اردو مترجمین بھی اس سے متاثر ہو کر مذکورہ معنیٰ کرنے کی بجائے، یوں تعبیر کرتے ہیں: ''آدمی کا اپنی بیٹی کو جہیز دینا''۔ یہ مفہوم بیان کرنا خلافِ واقعہ ہے۔ جب وہاں جہیز نامی کوئی چیز تھی ہی نہیں تو دینے کا کیا مطلب؟۔

اب وہ حدیث پڑھیے جس کو بنیاد بنا کر عصرِ حاضر کے مسرفانہ جہیز کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے۔ امام نسائیؒ نے اپنی کتاب ''نسائی شریف'' میں حضرت علیؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ: "جَهَزَّ رَسُولُ اللّٰہِ لفاطمة في خميل وقربة ووسادة حشوها اذخر"۔

(سنن نسائی: ۸۲/۲، کتاب النکاح، باب: جهاز الرجل ابنته)

''رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کے لیے ایک چادر، ایک مشک اور ایک تکیے کا انتظام کیا''۔

جیسے ماقبل کی احادیث میں "جهز" کا لفظ تھا، اسی طرح یہاں بھی ہے، تو اس کا معنیٰ بھی اسی طرح ہوگا، کہ رسول اللہ ﷺ نے انتظام کیا، نہ کہ جہیز دیا۔ جس طرح برادرانِ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس غلہ نہ تھا، حضرت نے فوری ضرورت کے تحت غلہ دیا، جس طرح جنگِ تبوک کے اسباب مہیا نہ تھے اور حضرت عثمانؓ نے فوری اسباب مہیا کیے، اسی طرح سیدہ فاطمہؓ کی شادی کے وقت حضرت علیؓ کے گھر میں کچھ موجود نہ تھا، بلکہ گھر ہی نہ تھا، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فوری بندوبست کے طور پر یہ بنیادی چیزیں مہیا کر دیں۔

عام طور پر شہرت کی بناء پر اس کو بھی جہیز کہہ دیا کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ جہیز نہ تھا بلکہ فوری ضرورت کی بنیادی چیزیں تھیں۔ یہ حدیث اصل میں ہماری دلیل ہے کہ گھریلو لازمی چیزوں

کی فراہمی شوہر کے ذمہ ہے۔اس کی وضاحت یہ ہے کہ حضرت علیؓ مکہ میں ہی رسول اللہ ﷺ کے زیرِ کفالت آ گئے تھے،اب آپ ﷺ ہی ان کے سرپرست اورنگران تھے۔آپ ﷺ ہی ان کی خوشی غمی کے ذمہ دار تھے۔چنانچہ اسی لیےان کی شادی کے موقع پرآپ ﷺ نے ان ہی کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے یہ بنیادی انتظام کیا۔

دوسری روایات میں ہے کہ سیدہ فاطمہؓ کی شادی کے موقع پرحضرت علیؓ کے پاس گھر بھی نہ تھا،جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے مکان لے کرحضرت علیؓ کودیا۔پاکستان میں بسنے والے دامادوں کے لیے یہ خوشخبری ہے،کہ وہ گھر کی ضروریات سے تو ویسے ہی فارغ تھے،کیونکہ سب سامان ان کے سسرصاحب کے ذمہ ہے،اب یہ روایت سنا کروہ اپنے سسرال سے مطالبہ کریں ، کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کومکان بھی لے کردیا تھا،لہٰذا ہمیں سامان کی طرح مکان بھی لے کردو۔اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب فرمائے۔

اب یہاں سنت کی تعریف پڑھیے۔مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

’’رسول اللہ ﷺ سے کسی امر کا منقول ہونا سنت ہونے کے لیے کافی نہیں؛ بلکہ جوعادتِ غالبہ ہو،وہ سنت ہے۔اورجوکسی عارض کی وجہ سے صادرہوگیا،وہ سنت نہیں‘‘۔(تحفة العلماء:۲/۱۲۰)

اس تعریف کوذہن میں رکھ کرسمجھئے کہ رسولِ کریم ﷺ نے اورکسی بیٹی کے لیےان چیزوں کا انتظام نہیں کیا،لہٰذا یہ آپ ﷺ کی عادتِ غالبہ نہیں ،اس لیے اس کوسنت کہنا صحیح نہیں۔یہ تین چیزیں آپ ﷺ نے عارض کی وجہ سے دیں۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ آپ ﷺ سرپرست تھے۔دوسراعارض یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی رخصتی چاہی تورسول اللہ ﷺ نے انہیں کچھ انتظام کرنے کا فرمایا۔حضرت علیؓ نے جواب دیا:"ماعندی"’’میرے پاس کچھ نہیں‘‘۔یہ عارض تھا کہ ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا،توضروری انتظام آپ کوکرناپڑا۔اورعارض کی وجہ سے کوئی کام کیاجائے تو اسے سنت نہیں کہتے۔ہمارے محقق علماءتو یہ فرماتے ہیں کہ یہ جوتین چیزیں خریدی گئیں،ان کے پیسے حضرت علی المرتضیٰؓ نے مہیا کیے تھے۔اب تو کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کی نوعیت:

۱۔ علماءِ حق میں حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام نامی کسی تعارف کا محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ سے تفسیر و حدیث کا مہتم بالشان کام لیا ہے۔ آپ اپنی مشہور کتاب ''معارف الحدیث'' میں اس حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

''ہمارے ملک کے اکثر اہل علم اس حدیث کا مطلب یہی سمجھتے اور بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ چیزیں اپنی صاحبزادی کے نکاح کے موقع پر جہیز میں دی تھیں۔ لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں نکاح شادی کے موقع پر لڑکی کو جہیز کے طور پر کچھ سامان دینے کا رواج بلکہ ''تصور بھی نہیں تھا'' اور جہیز کا لفظ بھی استعمال نہیں ہوتا تھا، اس زمانہ کی شادیوں کے سلسلے میں کہیں اس کا ذکر نہیں آتا۔

حدیث کے لفظ " جهز" کے معنی اصطلاحی جہیز دینے کے نہیں بلکہ ضرورت کا انتظام و بندوبست کرنے کے ہیں۔ حضرت فاطمہؓ کے لئے حضور اکرم ﷺ نے ان چیزوں کا انتظام حضرت علی المرتضیٰؓ کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے انہی کی طرف سے اور ان ہی کے پیسوں سے کیا تھا، کیونکہ یہ چیزیں ان کے گھر میں نہیں تھیں، روایات سے اس کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے۔ بہرحال یہ اصطلاحی جہیز نہیں تھا''۔

(معارف الحدیث :۷/ ٤٦١)

۲۔ شیخ الحدیث مولانا سبحان محمود صاحبؒ کی رائے گرامی:

''جب حضرت فاطمہ کا نکاح طے ہوگیا، تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ مہر کا انتظام کرو، چنانچہ انہوں نے جنگی سامان فروخت کرکے ۴۸۰ درہم آپ ﷺ کے سپرد کردیے۔

آپ ﷺ نے اسی سے حضرت فاطمہؓ کے لیے چند بنیادی گھریلو چیزوں کا انتظام کیا۔ یہ جہیز وہ تھا؛ جو گھر گرہستی میں کام آتا ہے، چارپائی، چمڑے کا گدہ، آٹا پیسنے کی چکی اور مشکیزہ، یہ وہی چیزیں ہیں؛ جو گھر گرہستی کے کام آتی ہیں۔ لیکن کس طرح عطاء فرمایا؟ کہ مہر کی رقم وصول کرکے اسی سے انتظام کیا''۔ (نیٹ پرموجود بیان سے اقتباس

۳۔ ممتاز عالم دین مولانا محمد اسلم شیخو پوری شہیدؒ کی رائے:

’’شادیوں میں جہیز ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، جب تک لاکھوں روپے کا جہیز نہ خریدا جائے، تب تک شادی نہیں ہو پاتی۔ معاشرے کا چلن اس قدر بگڑ گیا ہے کہ اب لڑکے والے توقع رکھتے ہیں کہ ایسی لڑکی کا رشتہ ملے جو بہت سا جہیز لے کر آئے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ عام لوگوں نے جہیز کو بہت لازم سمجھ لیا ہے اور اس کے لئے دلیل دیتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے بھی اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دیا تھا، بہت سے لوگ اَن جانے میں یہ بات کہہ دیتے ہیں، مگر معلوم ہونا چاہیے کہ آپ ﷺ کے دورِ اقدس میں لڑکی کے لئے جہیز کا کوئی تصور نہ تھا اور جہیز کا لفظ بھی استعمال نہ ہوتا تھا، نہ ہی اس زمانے کی شادیوں کے تذکرے میں جہیز کا ذکر ملتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے دیگر صاحبزادیوں کی بھی شادیاں فرمائیں مگر کہیں بھی اس کا تذکرہ نہیں ملتا کہ آپ ﷺ نے انہیں اتنا اتنا جہیز دیا۔

وہ جو حدیث شریف میں ’’جھّز‘‘ کا لفظ آتا ہے، تو جہیز کے معنی میں نہیں آتا، بلکہ ضرورت کے انتظام اور بندوبست کے معنی میں ہے (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہی پیسوں سے مختصراً انتظام ہوا) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو کچھ دیا وہ معروف معنوں میں جہیز تھا ہی نہیں، اس لیے اس سے اپنے مسرفانہ جہیز کے لئے دلیل پکڑنا کیسے درست ہوسکتا ہے‘‘؟۔

(خواتین کا اسلام : ۲ محرم ۱۴۲۹ھ)

٤۔ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور قاسمیؒ کی رائے:

’’بعض لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ اگر شریعت میں جہیز کا تصور ہی نہیں ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہؓ کو کچھ چیزیں رخصتی کے وقت کیوں دیں؟ دراصل یہ چیزیں حضرت فاطمہؓ کے مہر کی رقم سے فراہم کی گئی تھیں۔

چنانچہ سیرت نگاروں کے مطابق حضرت علیؓ کے پاس ایک زرہ تھی، جوانہوں نے بطور مہرِ معجّل دے دی تھی، آنحضرت ﷺ نے اس کو فروخت کرنے کا حکم دیا، اور اس

سے ۴۸۰ درہم وصول ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ اس رقم سے کچھ خوشبو، کپڑے اور فلاں فلاں چیزیں خرید لاؤ۔

یہ جہیز (جہیز عرف کی وجہ سے کہا جا رہا ہے) پیشگی مہر کے پیسوں سے تیار کیا گیا تھا نہ کہ اپنی طرف سے۔ اگر اس قسم کا جہیز مشروع ہوتا تو آپ ﷺ اپنی چاروں بیٹیوں کو عطاء فرماتے، مگر آپ ﷺ نے جہیز کسی کو نہیں دیا''۔ اور کسی سیرت کی کتاب میں بنات طیبات کے تذکرہ میں یہ وارد نہیں ہے۔ (شاہراہِ سنت: ۲۰۳)

۵۔ مولانا محمد زکریا سنبھلی صاحب کی رائے گرامی:

''حضرت علیؓ، رسول اللہ ﷺ ہی کے تکفل میں تھے اور ان کا کوئی گھر علیحدہ نہ تھا، اس لیے آپ ﷺ نے ان کا گھر بسانے کے لیے کچھ ضروری گھریلو سامان اس موقع پر عنایت فرمایا تھا؛ جس میں ایک چادر، ایک مشکیزہ، چمڑے کا گدا وغیرہ چند چیزیں تھیں۔ یہ سامان مروجہ جہیز کی قسم سے نہ تھا۔ اس لیے جہیز کا ثبوت نہ ازواجِ مطہرات کے کسی نکاح میں ہے نہ دیگر بنات طیبات کے نکاح کے موقع پر آپ ﷺ نے کچھ دیا ہے، اور نہ ہی اہلِ عرب میں اس کا رواج تھا''۔ (معارف الحدیث: ۸/ ۳۴۹)

٦۔ شیخ توصیف الرحمٰن صاحب (مسلک اہلحدیث) کی رائے:

''بعض لوگ جہیزِ فاطمہؓ سے غلط استدلال کرتے ہیں، کیونکہ وہ مہر کے پیسوں سے گھر کی چند لازمی اشیاء خرید کی گئیں، جو کہ حضرت علیؓ کے گھر میں موجود نہ تھیں۔ اس موقع پر اگر مہر کی رقم کے بجائے آپ ﷺ خود بھی ان مختصر چیزوں کا انتظام فرماتے، تب بھی مروجہ جہیز کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی، کیونکہ حضرت علیؓ آپ ﷺ کے زیرِ کفالت تھے، اور کفیل کے ذمہ ہوتا ہے اپنے زیرِ کفالت پر خرچ کرنا''۔

(نیٹ پر موجود بیان سے اقتباس)

۷۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی رائے:

''غلطی سے حضرت فاطمہؓ کے ضروری سامان کو جہیز کہہ دیا گیا ہے، اس میں ایک

پیسا بھی نبی کریم ﷺ نے نہیں دیا۔حضرت فاطمہؓ کے لئے حضور اکرم ﷺ نے ان چیزوں کا انتظام حضرت علی المرتضیٰؓ کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے انہی کی طرف سے اور ان ہی کے مہر کے پیسوں سے کیا تھا، کیونکہ یہ چیزیں ان کے گھر میں نہیں تھیں۔ روایات میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ بہرحال یہ اصطلاحی جہیز نہیں تھا۔ ورنہ مدینہ میں ہی آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کیا، ان کا گھر ہر چیز سے بھرا تھا، اس لیے وہاں جہیز نامی کوئی چیز نہیں تھی۔ اسلام کا فلسفہ یہ ہے کہ لڑکی کے والد پر ایک پیسے کا بھی بوجھ نہیں ہے''۔

(نیٹ پر موجود بیان سے اقتباس)

محترم قارئین! مذکورہ اقتباسات سے یہ بات خوب واضح ہوگئی ہے کہ جہیز دورِ نبوی ﷺ میں معمول و مروّج نہ تھا، لہٰذا یہ ایک خلافِ سنت عمل ہے۔ بہت ہی لائق افسوس بات یہ ہے کہ ہمارے اکثر خطباء بیانات میں جہیز کو سنت بھی کہہ جاتے ہیں۔ اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث سے کوئی مغالطہ میں ہے، تو اسے ان تشریحات کی روشنی میں اپنے موقف میں تبدیلی پیدا کرنی چاہیے۔

تمام سنتوں پر عمل کریں:

جہیز کا سنت نہ ہونا بالتفصیل عرض کیا جا چکا ہے۔ اگر مروّجہ جہیز کے قائلین وفاعلین کو اس سے روکا جائے تو وہ جواباً یہی کہتے ہیں کہ جہیز دینا سنت رسول ﷺ ہے، اس کا تحقیقی جواب گزشتہ صفحات میں آچکا ہے، اب ذرا الزامی جوابات بھی سن لیجئے۔ سنت کو اسی کیفیت و طریقہ کے مطابق ادا کرنا ضروری ہے جو کیفیت و طریقہ صاحبِ سنت سے منقول ہو، چنانچہ اگر کوئی آدمی صبح کی دو سنتیں دو رکعت کی بجائے تین پڑھنے لگ جائے، یا دو کی بجائے ایک رکعت پڑھنے لگ جائے، تو یقیناً وہ سنت ادا کرنے والا نہ ہوگا، اس پر اور تمام سنتوں کو قیاس کرلیں۔

اگر جہیز سنت ہے تو اس کو سنت کے مطابق بجالایئے، جو چیزیں اور جیسے آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیں، وہی دو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کو وجہ جواز بنا کر آپ زندگی بھر کے ساز و سامان کو جہیز قرار دیتے ہیں جو سنت پر زیادتی ہے۔ اس حدیث سے اگر صرف اتنا

استدلال کیا جاتا کہ اگر داماد بالکل غریب ہو،تو اس کی امداد اس انداز میں کی جاسکتی ہے کہ گھر چلانے کے لیے ضروری ضروری چیزیں لے کر دے دی جائیں،تو یہ بات انصاف کے قریب تھی۔لیکن ہم نے تو اس مختصر حدیث کی بنیاد پر جہیز کی عظیم عمارت کھڑی کر دی ہے۔

جہیز کو سنت کہہ کر اسے سرانجام دینے والے اپنی بیٹیوں کو سنت کے مطابق ہی سامان دیا کریں، جو ابھی حدیث میں مذکور ہوا۔اور اپنے بیٹوں کی شادی کے مواقع پر ان کے سسرال سے بھی سنت سے ثابت شدہ ہی سامان لیا کریں۔نیز رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رقم سے ان ضروری چیزوں کا انتظام فرمایا تھا،جنہیں جہیز کہنا مضحکہ خیز ہے۔جہیز کو سنت کہنے والے جب اپنے بیٹوں کی شادی کریں تو ان کے ہی پیسوں سے اپنی بہوؤں کے ضروری سامان کا انتظام کریں۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو دین یا سنت سے قطعاً محبت نہیں؛ بلکہ یہ اپنے خود ساختہ رسوم کو تحفظ دینے کے لئے سنت کا لیبل لگاتے ہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کی زندگی سرتاپا سنن سے خالی ہوتی ہے،انہیں سنت صرف اپنے مفاد کے وقت یاد آتی ہے،ان کے چہروں سے سنت کی بغاوت عیاں ہوتی ہے اور دین کے اہم و لازمی فرائض ان کی زندگی میں نظر نہیں آتے۔بچیوں کو وراثت کا حق اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے،اور ان کو جائداد سے حصہ دینا فرض ہے،مگر جہیز کو سنت کہنے والے بچیوں کو جہیز دے کر اس اہم فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔

یہ حدیث ہم نے اپنے جہیز کے جواز کے لیے تو ڈھونڈ لی،مگر اسی حدیث سے متصل اگلی حدیث جو ہمارے جہیز کی عمارت کو منہدم کر رہی ہے،اس پر نظر نہ پڑی۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"ایک بستر آدمی کے لیے،دوسرا اس کی بیوی کے لیے،تیسرا مہمان کے لیے اور چوتھا شیطان کے لیے"۔(سنن نسائی:۲/۸۲۔باب الفرش)

اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:"مراد یہ ہے کہ تین بستر رکھنا جائز ہے،اور چوتھا بستر یا تو فخر کے لیے ہے جو کہ شیطانی عمل ہے،یا پھر وہ بلا فائدہ کے ہے،چنانچہ شیطان آکر اس پر سو جاتا ہے"۔یہ عام اصول ہے،اس کا جہیز سے تعلق نہیں۔جب شوہر بھی ضرورت سے زائد انتظام نہیں کر سکتا،تو سسر ہی کے لیے کیا مصیبت پڑی ہے؟

امام نسائیؒ جہیزِ فاطمہؓ والی حدیث کے فوراً بعد متصل ہی یہ حدیث لائے ہیں، تاکہ کوئی اس حدیث سے اپنے مسرفانہ جہیز کی دلیل نہ پکڑ سکے۔ امام نسائیؒ تو یہ حدیث لاکر مروّجہ جہیز کی تردید کررہے ہیں۔

اب مجوّزینِ جہیز ان دونوں احادیث کو ملا کر اپنا جہیز بنائیں۔ کیا ہمارے جہیز میں محض تین ہی بستر ہوتے ہیں؟ صرف ضرورت ہی کی چیزیں ہوتی ہیں؟ صرف غریب داماد ہی کو دیا جاتا ہے؟ اگر حضور ﷺ سے محبت ہے تو دونوں احادیث کو سامنے رکھو۔ اس حدیث کو سامنے رکھ کر انصاف سے بتائیں کہ کیا ہمارا جہیز شیطانی ہے کہ نہیں؟۔

ہمارے جہیز میں بیس بیس بستر، پچاس پچاس جوڑے اور ان کے علاوہ زندگی کی ہر چیز وافر مقدار میں ہوتی ہے، جنہیں سالہا سال استعمال کرنے کی بھی نوبت نہیں آتی۔ وہ اس حدیث کے مطابق شیطان کے حصہ میں آتی ہیں۔

☆......☆......☆

جہیز کے متعلق ہر مسلک کے علماء اور اہل دانش کی آراء

ہر مسلک کے علماء نے جہیز کو غیر اسلامی اور ظالمانہ رسم قرار دیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس رسم کے غیر شرعی ہونے پر سب کا اجماع ہے۔ جب ہر مسلک کے علماء نے اسے غیر شرعی اور ہندوانہ رسم قرار دیا ہے ،تو پھر معلوم نہیں کہ ہر مسلک کے لوگوں نے اسے کیوں رواج دیا ہوا ہے؟ اب میں اپنے دعوے کے مطابق جہیز کے متعلق ہر مسلک کے علماء کی آرا لکھتا ہوں۔

۱۔ حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے فرمودات:

''جہیز کی بنیاد فخر ہے: اگر بیٹی کو لختِ جگر سمجھ کر دینا ہے تو کیا ایسی ہی چیز دینی تھی جو اس کے کام کبھی نہ آئے۔ اصل (بات) یہ ہے کہ یہ چیزیں بیٹی کو دی ہی نہیں جاتیں، صرف تفاخر اور دکھلاوے (یا بیٹی کو سسرال کے طعنوں سے بچانے) کے لیے دی جاتی ہیں۔ اس میں جتنا جس کا حوصلہ ہوتا ہے بڑھ کر قدم رکھتا چلا جاتا ہے۔ ایک نے دس برتن اور پچاس جوڑے دیے تو دوسرا نو برتن اور انچاس جوڑے نہیں دے گا، ایک بڑھا کر ہی دے گا، گو قرضدار ہی ہو جائے۔

سود پر قرض لینا گوارا کرتا ہے، برادری کے دباؤ سے غریب آدمی بھی اپنی عاقبت برباد کرتا ہے۔ اور غریب ہی کی کیا تخصیص ہے، غریب کے اخراجات غریب کے سے ہوتے ہیں اور امیر کے اخراجات امیر کے سے ہوتے ہیں۔ امیر لوگ بھی ان رسموں کی بدولت قرض سے نہیں بچتے۔ مروجہ جہیز کی بنیاد تفاخر اور نام ونمود پر ہے۔ کاش! جس قدر بے ہودہ روپیہ اڑایا جاتا ہے، ان دونوں کے لیے کوئی جائیداد خرید کر دی جاتی یا تجارت کا سلسلہ شروع کر دیا جاتا تو کس قدر راحت ہوتی؟
جہیز میں اس قدر کپڑے دیے جاتے ہیں کہ ایک بار میں ضلع میرٹھ کے ایک گاؤں گیا

تھا، معلوم ہوا کہ وہاں ایک بہوصرف کپڑا پندرہ سو روپے کا لائی ہے(یہ آج سے سوا سو سال پہلے کی بات ہے)برتن اور زیور لچکے گوٹے اس سے الگ تھے۔
مَیں نے بعض گھروں میں دیکھا ہے کہ جہیز میں اتنے کپڑے دیے گئے کہ لڑکی ساری عمر بھی پہنے تو ختم نہ ہوں۔اب وہ کیا کرتی ہے، اگر سخی ہوئی تو بانٹنا شروع کر دیا، ایک جوڑا کسی کو دیا ایک کسی اور کو۔ اگر بخیل ہوئی تو صندوق میں بندکر کے رکھ لیے۔ پھر بہت سے جوڑوں کو تو پہننا نصیب نہیں ہوتا، وہ یوں ہی رکھے گل جاتے ہیں۔اس طرح فضول خرچی کے ساتھ عورتیں مال برباد کرتی ہیں۔ بھلا جہیز میں اتنے کپڑے دینے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر کیوں نہ دیں، اس میں بھی نام ہوتا ہے کہ فلانی نے اپنی بیٹی کو ایسا جہیز اور اتنا دیا ہے، بس شیخی کے واسطے گھر برباد کیا جاتا ہے''۔

(اسلامی شادی:۱۲۳،۱۲٤،۱۲۵)

اکثر لوگ جہیز کو اس لیے قبول کر لیتے ہیں کہ یہ تو لڑکی والوں نے اپنی خوشی سے دیا ہے، ایسے لوگوں کو حضرت حکیم الامتؒ کی مندرجہ ذیل عبارت توجہ سے پڑھنی چاہیے:

''دارقطنی کی حدیث ہے: ''خبردار ہو جاؤ ظلم نہ کرو! خبردار! کسی کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں''۔بعض لوگوں کو اس میں یہ غلطی ہوتی ہے کہ کہتے ہیں کہ ہماری کیا وجاہت ہے، جو شخص دے گا خوشی سے دے گا، حالانکہ مشاہدہ اس کی تکذیب کرتا ہے۔اس کا حال تو دینے والے سے معلوم ہو سکتا ہے۔
کوئی تیسرا آدمی جو اس سے بے تکلف ہو، اس کو قسم دے کر پوچھے کہ تو نے خوشی سے دیا ہے یا ناخوشی سے؟ بہت آسانی سے اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔اور اسی سے حکم معلوم ہو جائے گا ان رقوم (نقدی رقم یا دیے ہوئے سامان) کا جو لڑکی والے شادی کے موقع پر لڑکے والے (یا لڑکے والے لڑکی والے) سے فرمائش کر کے لیتے ہیں۔
وہ لوگ خواہ رسم کی پابندی سے یا مجمع کے شرم سے یا مانگنے والے کے لحاظ سے دیتے ہیں، بعض لوگ بلاتحریک (بے مانگے از خود) دیتے ہیں، لیکن دینے کی بناء وہی رسم ہے، کہ جانتے ہیں کہ نہ دینے سے یا تو مانگا جائے یا بدنام کیا جائے گا۔سَو اس قسم کی رقمیں اور سامان (جہیز) شرعاً حلال نہیں، اور اس طرح مانگنا اور لینا درست نہیں

ہوتا۔اور یہ رقوم اورسامان سب واجب الرّد ہیں‘‘(یعنی ان کا واپس کرنا ضروری ہے)۔(اسلامی شادی:۱۳۲)

’’ان رسوم میں تسلسل کچھ اس قسم کا ہے کہ ایک رسم کو کرکے، پھر سب ہی آہستہ آہستہ کرنا پڑتا ہے۔۔۔کیا ان قیود و پابندیوں کو قیودِ شرعیہ سے زیادہ ضروری عملاً نہیں سمجھا جاتا؟ نماز باجماعت فوت ہونے سے کیا کبھی ایسی شرمندگی ہوئی ہے؛جتنی جہیز میں چوکی پلنگ کے نہ دینے سے ہوتی ہے؟ گو اس کی ضرورت نہ ہو۔جہیز میں ضروری سامان کا لحاظ کرنے میں شرعاً وعقلاً کوئی مضائقہ نہ تھا،مگر یقینی امر ہے کہ ضروریات کی فہرست ہر جگہ جدا بنے گی،لیکن جہیز کی ایک ہی فہرست ہر جگہ ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رواج کی پابندی اس کی علت ہے،ضرورت پر اس کی بنیاد نہیں (اب چاہے کروڑ پتی سے شادی ہو تب بھی جہیز لازمی ہے) تو اس درجہ کی پابندی نہ عقلاً جائز نہ شرعاً درست‘‘۔(اسلامی شادی:۱۳۵)

۲۔ شیخ الحدیث،حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ کی رائے گرامی:

’’(میری اپنی اور اولاد واطفال کی) شادیاں اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے ساری ایسی سہولت اور آسانی کے ساتھ ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ دوستوں کو بھی نصیب فرمائے،جہیز کا قصہ بھی کسی کے ساتھ نہ ہوا....جہیز بری سے زیادہ شادیوں کی دعوت سے بھی مجھے نفرت ہے....جہیز بری کے کپڑوں کا بہت مخالف ہوں، کہ وہ عمدہ عمدہ قیمتی جوڑے جو اس قابل تو ہوتے نہیں کہ گھر میں پہن لیے جاویں،صندوقوں کی زینت ہو کر گلتے ہیں یا موت کا حادثہ پیش آجائے تو مدرسہ میں داخل ہو کر معمولی داموں میں نیلام ہوتے ہیں‘‘۔(آپ بیتی:۲۹۸/۱)

۳۔ شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے گرامی:

’’یہ رحمت ومحبت کی علامت تھی بشرطیکہ نمود ونمائش سے پاک ہو،اور والدین کے لئے کسی پریشانی واذیت کا باعث نہ بنتا ہو۔لیکن مسلمانوں کی شامتِ اعمال نے اس رحمت کو زحمت بنا دیا ہے۔اب لڑکے والے بڑی ڈھٹائی سے یہ دیکھتے ہی نہیں

بلکہ پوچھتے بھی ہیں کہ جہیز کتنا ملے گا؟ ورنہ ہم رشتہ نہیں لیں گے۔ اسی معاشرتی بگاڑ کا نتیجہ ہے کہ غریب والدین کے لئے بچیوں کا عقد کرنا وبال جان بن گیا ہے۔ فرمایئے! کیا اس جہیز کی لعنت کو ''کافرانہ رسم'' اور ''رسم بد'' سے بھی زیادہ سخت الفاظ کے ساتھ یاد نہ کیا جائے''۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵/ ۱۳۷)

٤۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی رائے گرامی:

''شرعی اعتبار سے بھی جہیز کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو کوئی تحفہ اپنی استطاعت کے مطابق دینا چاہے تو دے دے۔ اور ظاہر ہے کہ تحفہ دیتے وقت لڑکی کی آئندہ ضروریات کو مدنظر رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے، لیکن نہ وہ شادی کے لئے کوئی لازمی شرط ہے نہ سسرال والوں کو کوئی حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کریں۔ اور نہ یہ دکھاوے کی چیز ہے کہ شادی کے موقع پر اس کی نمائش کر کے اپنی شان وشوکت کا اظہار کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہمارے معاشرے میں جو غلط تصورات پھیلے ہوئے ہیں، وہ مختصراً درج ذیل ہیں:

جہیز کو لڑکی کی شادی کے لئے ایک لازمی شرط سمجھا جاتا ہے، چنانچہ جب تک جہیز دینے کے لئے پیسے نہ ہوں لڑکی کی شادی نہیں کی جاسکتی۔ ہمارے معاشرے میں نہ جانے کتنی لڑکیاں اس وجہ سے بن بیاہی رہتی ہیں کہ باپ کے پاس انہیں دینے کے لئے جہیز نہیں ہوتا۔ اور جب شادی سر پر آ ہی جائے تو جہیز کی شرط کو پورا کرنے کے لیے اب باپ کو بعض اوقات روپیہ حاصل کرنے کے لیے ناجائز ذرائع اختیار کرنے پڑتے ہیں، اور وہ رشوت جعلسازی، دھوکہ، فریب اور خیانت جیسے جرائم کے ارتکاب پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی باپ اتنا باضمیر ہے کہ ان ناجائز ذرائع کو استعمال نہیں کرنا چاہتا، تو کم از کم اپنے آپ کو قرض، ادھار کے شکنجے میں جکڑنے پر مجبور ہوتا ہے۔

جہیز کی مقدار اور اس کے لئے لازمی اشیاء کی فہرست میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اب جہیز محض ایک بیٹی کے لئے باپ کا تحفہ نہیں ہے، جو وہ اپنی خوش دلی سے اپنی استطاعت کی حد میں رہ کر دے بلکہ معاشرے کا ایک جبر ہے۔ چنانچہ اس میں صرف

بیٹی کی ضروریات ہی داخل نہیں ؛ بلکہ اس کے شوہر کی ضروریات پوری کرنا اوراس کے گھر کو مزین کرنا بھی ایک لازمی حصہ ہے، خواہ لڑکی کے باپ کا دل چاہے یا نہ چاہے اسے یہ تمام لوازم پورے کرنے پڑتے ہیں۔

بات صرف اتنی نہیں ہے کہ لڑکی کی ضروریات پوری کر کے اس کا دل خوش کیا جائے، بلکہ جہیز کی نمائش کی رسم نے یہ بھی ضروری قرار دے دیا ہے کہ جہیز ایسا ہو جو ہر دیکھنے والے کو خوش کر سکے اوران کی تعریف حاصل کر سکے۔

جہیز کے سلسلے میں سب سے گھٹیا بات یہ ہے کہ لڑکی کا شوہر یا اس کے سسرال کے لوگ جہیز پر نظر رکھتے ہیں۔ بعض جگہ تو شاندار جہیز کا مطالبہ پوری ڈھٹائی سے کیا جاتا ہے۔ اور بعض جگہ اگر صریح مطالبہ نہ ہو تب بھی توقعات یہ باندھی جاتی ہیں کہ دلہن اچھا سا جہیز لے کر آئے گی۔ اور اگر یہ توقعات پوری نہ ہوں تو لڑکی کو طعنے دے دے کر اس کے ناک میں دم کر دیا جاتا ہے"۔(بنات عائشہ : ۸ ۵ شمارہ صفر ۱۴۲۸ھ)

۵۔ حضرت مولانا مفتی محمد صاحب کی رائے گرامی:

"شرعی اعتبار سے جہیز کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اپنی استطاعت کے مطابق کوئی تحفہ دینا چاہے تو دے دے۔ لیکن نہ وہ شادی کیلئے کوئی لازمی شرط ہے نہ سسرال والوں کو کوئی حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کریں۔ اور اگر کسی لڑکی کو جہیز نہ دیا جائے یا کم دیا جائے تو اس پر برا مانیں یا لڑکی کو طعنہ دیں۔ اور نہ یہ کوئی دکھاوے کی چیز ہے کہ شادی کے موقع پر اس کی نمائش کر کے اپنی شان وشوکت کا اظہار کیا جائے۔ مگر آج کل شادی کے موقع پر جہیز کے نام سے جو کچھ دیا جاتا ہے، وہ نمود ونمائش کے لیے اور لوگوں کے طعن وتشنیع کے خوف سے اور لازم سمجھ کر دیا جاتا ہے۔ قرض لے کر دینا اس کی دلیل ہے۔ اس معاشرتی بگاڑ کا نتیجہ یہ ہے کہ غریب والدین کیلئے اپنی بچیوں کا نکاح کرنا وبال جان بن گیا ہے۔

جہیز کے مفاسد:

موجودہ دور میں شادی کے موقع پر طرفین کا ایک دوسرے کو تحفہ اور لڑکی کو جہیز دینے میں

جس قدر غلو ہونے لگا ہے، اس میں درج ذیل قباحتیں عموماً پائی جاتی ہیں:

یہ سامان رسم سے مجبور ہو کر دیا جاتا ہے، نہ دینے والے کو ملامت کی جاتی ہے، بلکہ بعض جگہ لڑکے والے بڑی جرأت اور بے باکی سے مانگتے اور مطالبہ کرتے ہیں کہ جہیز کتنا ملے گا؟ اتنا نہ ملا تو ہم شادی نہیں کریں گے۔ گویا جبراً وصول کرتے ہیں اور جبراً وصول کیا ہوا مال حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ کسی شخص کی دلی خوشی کے بغیر اس کا مال حلال نہیں۔ معلوم نہیں ان مردوں کی غیرت کہاں گئی؟؛ جو مطالبہ کر کے ایک کمزور عورت سے مال لے کر اپنا گھر سجاتے ہیں، جب کہ شریعت نے گھر کا ذمہ دار اور منتظم اعلیٰ شوہر کو بنایا ہے۔ بیوی کا نفقہ، خرچ اور گھر کے تمام اخراجات چاہے کھانے پینے کے ہوں، یا رہنے سہنے اور پہننے کے ہوں، ان سب کا ذمہ دار مرد ہے۔

دینے والے کی نیت ریا، شہرت اور ناموری کی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اس کی خوب نمائش کی جاتی ہے، دور ونزدیک کی خواتین بڑے اہتمام سے اسے دیکھنے آتی ہیں، بلکہ دیتے وقت نامحرم مردوں کے مجمع کے سامنے بھی لڑکی کو دیے جانے والے کپڑوں تک کی نمائش جیسا شرمناک عمل دہرایا جاتا ہے۔ جب کہ شہرت کی نیت سے جائز عمل بھی ناجائز ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ آج کل عموماً جہیز اتنی زیادہ مقدار میں دیا جاتا ہے؛ جس سے حج فرض ہو جاتا ہے مگر حج نہیں کرواتے۔ اسی طرح بعض لوگ بچی کے پیدا ہوتے ہی جہیز جمع کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر اس وقت سے لڑکی کو مالک بنا دیا تو بالغ ہونے کے بعد ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر والدین کی ملکیت میں ہو تو ان پر لازم ہے کہ زکوٰۃ بھی ادا کریں، ورنہ دہرے گناہ کے مرتکب ہوں گے، ایک جہیز کی رسم کا گناہ اور دوسرا زکوٰۃ نہ دینے کا۔

اس قبیح رسم کی وجہ سے غریب آدمی کے لیے لڑکی کی شادی وبال جان بن گئی ہے۔ وہ جہیز کی مطلوبہ مقدار پوری کرنے کیلئے جائز وناجائز کی پرواہ کیے بغیر پیسہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، بلکہ بعض لوگ اس من گھڑت ضرورت کیلئے زکوٰۃ وصدقات مانگتے پھرتے ہیں۔ بلاضرورت مانگنا حرام اور ایسے شخص کو دینا بھی حرام ہے۔

مطلوب مقدار مہیا نہ ہونے کی بنا پر رشتہ دینے کے بعد نکاح کرنے؛ بلکہ بسا اوقات نکاح کے بعد رخصتی میں اس قدر تاخیر کی جاتی ہے کہ لڑکیوں کی عمریں تیس تیس، چالیس چالیس سال تک ہو جاتی ہیں، جس کے نتیجے میں برائیاں جنم لیتی ہیں یا عزت عفت محفوظ رکھنے والی لڑکیاں گھٹ گھٹ کر مر جاتی ہیں یا نفسانی مریضہ بن جاتی ہیں، بلکہ بعض کو مختلف جسمانی امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ اصول ''حفظان صحت'' کے لحاظ سے بھی شادی میں زیادہ تاخیر صحت کے لئے مضر ہے۔

آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو۔ ایک نماز، جب اس کا وقت آ جائے، دوسرا جنازہ، جب تیار ہو جائے، تیسرے بے نکاح لڑکے اور لڑکی کی شادی میں، جب اس کے جوڑ کا رشتہ مل جائے''۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جس کی اولاد (لڑکا یا لڑکی) ہو اس کو چاہیے کہ اس کا اچھا نام رکھے، اس کی تعلیم و تربیت اچھی کرے، جب بالغ ہو جائے تو نکاح کر دے۔ بالغ ہونے کے بعد اگر نکاح نہ کیا اور وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے، تو اس کا گناہ باپ پر بھی ہوا''۔

جہیز کی ایک نحوست یہ بھی ہے کہ کئی خاندانوں میں بیوی آتے ہی اپنی برتری جتانا شروع کر دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ سمجھتی ہے کہ سارا کچھ تو میں لائی ہوں شوہر تو میرا محتاج ہے۔ چارپائی سے لے کر کھانے پینے کے برتنوں تک میں لائی ہوں۔ پھر آئے دن لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں، آخر کار نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو بیٹی سے محبت کی بنا پر دے رہے ہیں، اس میں کیا حرج ہے؟ ایسے لوگ ذرا غور کریں تو ان پر حقیقت واضح ہو جائے گی۔ سوچئے! بیٹی کے پیدا ہونے سے لے کر شادی تک اور شادی سے لے کر مرتے دم تک محبت رہے گی یا شادی کے بعد ختم ہو جائے گی؟ تو شادی کے وقت محبت کا ایسا جوش کیوں اٹھتا ہے کہ کچھ بھی ہو جائے جہیز کی رسم مروّج طریقے سے ہی ضرور پوری کریں گے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نہیں دیں گے تو ناک کٹ جائے گی، لوگوں میں عزت نہیں

رہے گی، لوگ طعنے دیں گے کہ بیٹی کی شادی تھی یا جنازہ؟ اگر واقعۃً آپ محبت کی وجہ سے اسے کچھ دینا چاہتے ہیں تو اظہارِ محبت کی اور بھی بہت صورتیں ہیں، مثلاً: اسے جائیداد میں شریک کر لیں، کارخانے یا تجارت میں شریک کر لیں، بالفرض اگر اسی وقت دینا ہی ہے تو نقدی کی صورت میں دیں تاکہ وہ جہاں چاہیں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کریں۔

اس کے برعکس مہر ادا کرنے کی تاکید پر بہت سی احادیث ہیں اور شریعت اسلامی نے اس کو فرض قرار دیا ہے۔ آج کل مسلمان یہ فرض ادا کرنے کا اہتمام تو کرتے نہیں اور عموماً بیویوں سے زبردستی معاف کروایا جاتا ہے، یا بیوی مروّت میں آ کر معاف کر دیتی ہے، جب کہ وہ معاف کرنے پر دل سے راضی نہیں ہوتی۔ اور ایسی معافی کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں اور یہ حق ادا کرنا شوہر کے ذمہ بدستور باقی رہتا ہے۔ پھر طلاق کی نوبت آ جائے تو جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں نوجوانوں کو ہمت سے کام لینا چاہیے اور جہیز کی مروجہ ''لعنت'' کے خلاف بھرپور تحریک چلانی چاہیے۔ اور اپنے والدین کے سامنے اس کی قباحتیں بیان کر کے انہیں اس پر آمادہ کرنا چاہیے کہ وہ جہیز کے بغیر شادیاں کرنے کو رواج دیں تاکہ اس بہت بری رسم کا خاتمہ ہو سکے''۔(تسهيل بهشتي زيور: ۱/ ٦٦)

٦۔ مولانا سجاد حسن نعمانی صاحب (دارالعلوم دیوبند) کی رائے گرامی:

''سچے مسلمان بنو، پیسے کو شادیوں پر برباد مت کرو۔ غریب گھروں کی بیٹیوں کو اس پر مجبور نہ کرو کہ وہ خودکشی کر لیں یا بھاگ جائیں۔ حرام ہے شریعتِ اسلامی میں جہیز، حرام ہے، حرام ہے۔ اے نوجوانو! میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے ماں باپ سے کہہ دینا کہ آپ ہرگز ہرگز جس گھر میں میرا رشتہ بھیجیں، خدا کے لیے یہ صاف کہہ دیجئے گا کہ ہمیں صرف لڑکی چاہیے، لڑکی کے ساتھ اور کچھ نہیں چاہیے۔ میں اتنا غریب نہیں ہوں کہ ان کے گھر سے ڈنر سیٹ آئے گا، تو میں اس کی پلیٹیں استعمال کروں گا۔ اور میں اتنا فقیر اور خاندانی یتیم نہیں ہوں کہ اگر ان کے ہاں سے پنکھا، اے سی اور کولر نہ آیا

توہمارے گھر میں پرانا ہاتھ والا پنکھا ہے۔
نوجوانو!تم نے اپنے آپ کو کتنا ذلیل کر دیا ہے؟تم کیوں نہیں کہتے کہ میرے دست وبازو ہیں،مَیں کماؤں گا اور کما کر اپنی اور اہلیہ کی ضروریات کا خود انتظام کروں گا''۔

(نیٹ پر موجود بیان"جھیز حرام ھے"سے اقتباس)

۷۔ جہیز رشوت ہے:مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کا فتویٰ:

''جہیز کے نام سے جو سودے بازی کا رواج ہو رہا ہے، یہ بہت ہی قابلِ ملامت اور لائقِ ترک ہے۔اس رواج کا شریعت سے کوئی تعلق اور نسبت نہیں ہے،غیر اسلامی طریقہ ہے اور مزاجِ شریعت کے خلاف ہے۔حدیث میں ہے:''سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں خرچ کم ہو''۔

(مشکوٰۃ:۲۶۸/۲۔کتاب النکاح،باب الصداق)

گاؤں گاؤں اس رواج کے خلاف عملی قدم اٹھانا چاہیے اور لوگوں کو سنت کے مطابق نکاح کرنے کی ترغیب دینا چاہیے۔غلط ماحول اور بے حیائی کا دور ہے،گھر گھر ٹی وی اور موبائل کی لعنت آرہی ہے،لڑکے لڑکیاں آپس میں آزادانہ ملتے ہیں۔زنا کے یہ اسباب اس نازک زمانہ میں بکثرت موجود ہیں۔اگر نکاح میں اس قسم کی پابندیاں اور غلط رواج جاری رہیں گے،توزناکاری اورزیادہ ہوگی اور دنیا میں عظیم فتنہ ہوگا،اور بہت سے لڑکے لڑکیاں نکاح کی نعمت سے محروم رہیں گے۔
نکاح کے موقع پر لڑکی یا لڑکے والے کی طرف سے مہر کے علاوہ کسی اور چیز کا مطالبہ کرنا اور اس کا لینا دینا رشوت ہے،اور رشوت شریعت میں حرام ہے...جہیز کے نام سے جو کچھ لین دَین ہوتا ہے،وہ بالکل غلط رواج اور ظاہراًرشوت ہے۔مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس رواج کو ختم کرنے کے لیے عملی قدم اٹھائیں اور جگہ جگہ اصلاحِ معاشرہ کی کوشش کریں''۔(فتاویٰ رحیمیہ:۲۳۳/۸)

۸۔ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور قاسمیؒ کی رائے گرامی:

''آج کل جہیز کا غلط مفہوم اور رواج چل پڑا ہے؛ جو سراسر ایک غیر اسلامی

تصور ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کواس لیے پیدانہیں کیا کہ وہ دوسروں کامحتاج بن کر یاکا سہ ٴ گدائی دراز کرتے ہے ہوئے زندگی بسر کرے، بلکہ وہ ایک ذمہ داراوراشرف المخلوقات ہستی ہے۔لہٰذااسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے صحیح اورمعقول رویہ اپنانا چاہیے۔پرائے مال پرنگاہ ڈالنااگرچہ وہ سسرہی کا کیوں نہ ہوشرعاً ناجائزوحرام ہے۔فقہ حنفی کی مستند کتاب''فتاویٰ شامیہ''میں مذکور ہے کہ :
''سسراپنے داماد سے اپنی لڑکی کی وجہ سے جو مال لیتاہے،وہ حرام میں شامل ہے،خواہ داماد یہ مال اپنی خوشی سے دے۔ورنہ اگرسسر کے مطالبہ پردے تو داماد کووہ مال واپس لینے کاحق ہوگا''۔
اورفتاویٰ عالمگیری میں ہے:''اگررخصتی کے وقت لڑکی والے کچھ مال لیں تو خاوند کوحق حاصل ہے کہ وہ اس مال کوواپس لے لے،کیونکہ یہ رشوت کےحکم میں ہے''۔اس سے یہ بات ثابت ہوئی کی جب عقلی اعتبار سے لڑکی کا معاوضہ لیناجائزنہیں ہے، تو پھرلڑکے کا معاوضہ لینا بھی جائزنہیں ہے۔قانونِ فطرت کے مطابق اگرمعاوضہ جائز ہوتاتولڑکی کے باپ کے لیے گنجائش نکل سکتی تھی نہ کہ لڑکے کے لیے۔

رسمِ جہیزاورنوجوانوں کی ذمہ داری:

آج کل ہمارے معاشرے میں جہیز کی رسم نے ایک خوفناک وبا ،کی صورت اختیار کرلی ہے؛جس کی وجہ سےکسی غریب یا متوسط درجے کی لڑکی کی شادی ایک پیچیدہ مسئلہ بن گئی ہےاوراس کی سنگینی کی وجہ سے خاندانوں کے خاندان تباہ ہورہے ہیں۔اس سلسلے میں افسوسناک پہلو یہ ہے کہ وہ مسلم قوم جواصلاحِ عالم کے لیے وجود میں آئی تھی،وہ بھی ان خرافات میں مبتلا ہوکربہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کے درپے نظرآتی ہے۔حالانکہ اس کے لیےضروری تھا کہ وہ اس خوفناک سماجی گناہ کے خاتمہ کے لیےمیدان میں آتی۔
جب رکھوالاہی بھیڑیابن جائے تو پھرریوڑکا انجام تو سب کومعلوم ہے۔راقمِ سطورکا نظریہ، یہ ہے کہ اس خوفناک معاشرتی برائی کے خلاف جب تک مسلم نوجوان منظّم طریقے سے جدوجہدنہیں کریں گے،کوئی اصلاح نہیں ہوسکتی۔اس میدان میں

ہمارے نوجوان طبقے کو آگے بڑھ کر یہ عہد کرنا چاہیے کہ وہ جہیز نہ تو کسی سے لیں گے اور نہ کسی کو لینے دیں گے۔ جو لوگ جہیز یا اس قسم کی رقموں کا مطالبہ کریں، تو انہیں پہلے سمجھانا چاہیے کہ یہ چیز شریعت کی نگاہ میں ناجائز ہے، مگر پھر بھی نہ مانیں تو ایسے لوگوں کا بائیکاٹ کرنا چاہیے۔

اگر مسلم نوجوان ہر محلّہ گلی میں ایک ایک جہیز مخالف کمیٹی قائم کر کے اس سلسلہ میں اقدام کریں تو اس سے بڑے اچھے نتائج نکل سکتے ہیں اور غریب و معصوم لڑکیوں کا بھلا ہوسکتا ہے۔ اس قسم کا اصلاحی اقدام نہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کا باعث بنے گا بلکہ ایک اچھے اور مثالی معاشرے کی تشکیلِ نو کی راہ میں معاون و مددگار ہوگا''۔ (شاہراہِ سنت: ۲۰۱)

۹۔ مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ کی رائے گرامی:

''بعض شادیاں بجائے خانہ آبادی کے خانہ بربادی کی تمہید ہوتی ہیں۔ اور خصوصاً اس دور میں جہیز کے ہنگاموں نے تو لڑکیوں کے لئے ہلاکت کا ایسا سامان پیدا کر دیا ہے؛ جیسے مذبح میں بھیڑ بکریاں بے دریغ ذبح کی جاتی ہیں۔

بات تعصب کی نہیں، لیکن چودہ سو برس پہلے صحرائے عرب سے جو ایک روحانی آواز بلند ہوئی تھی، اس کی گونج ساری دنیا میں سنی گئی؛ لیکن کسی نے عمل کیا، کچھ نے سنی ان سنی کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نکاح میں سب سے زیادہ برکت ہوگی؛ جس میں اخراجات کا بوجھ کم سے کم خود پر ڈالا گیا ہو''۔ افسوس تو یہ ہے کہ اسی نبی جلیل ﷺ کے امتی بھی اب جہیز کی لعنت میں گرفتار ہوتے چلے جاتے ہیں''۔

(خواتین کا اسلام۔ شمارہ: ۱۸)

۱۰۔ شیخ الحدیث مولانا سبحان محمودؒ کی رائے گرامی:

''معاشرہ میں بہت ہی پیچیدہ اور تباہ کن مسئلہ ''جہیز'' ہے۔ اسلام میں جہیز دینا لازمی نہیں، چنانچہ مسلمان ملکوں اور بالخصوص عرب میں یہ جہیز کی رسم نہیں ہے۔ اگر شرع میں یہ لازم ہوتا، تو عرب اور دیگر اسلامی ملکوں میں بھی رائج ہوتا۔ جب

حضرت فاطمہ کا نکاح طے ہوگیا،تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ مہر کا انتظام کرو، چنانچہ انہوں نے جنگی سامان فروخت کر کے ۴۸۰ درہم آپ ﷺ کے سپرد کردیے۔

آپ ﷺ نے اسی سے حضرت فاطمہؓ کے لیے چند بنیادی گھریلو چیزوں کا انتظام کیا۔ یہ جہیز وہ تھا؛ جو گھر گرہستی میں کام آتا ہے، چارپائی، چمڑے کا گدہ، آٹا پیسنے کی چکی اور مشکیزہ، یہ وہی چیزیں ہیں؛ جو گھر گرہستی کے کام آتی ہیں۔ لیکن کس طرح عطاء فرمایا؟ کہ مہر کی رقم وصول کر کے اسی سے انتظام کیا۔ میری معلومات کے مطابق مغربی اقوام (امریکہ ویورپ) میں بھی جہیز کا نظام نہیں ہے، جن کی تہذیب پر ہم مرے جارہے ہیں ،اور اسلام کے طور طریقے چھوڑ کر، مغرب کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں، جب آپ ہر چیز میں مغرب کی نقل کررہے ہیں ،تو جہیز نہ لینے میں ان کی تقلید کیوں نہیں کرتے ؟ اسلام میں دور دور تک جہیز کا وجود تک نہیں ہے۔

ہمارے یہاں جو جہیز کی رسم چل رہی ہے ،بس اللہ ہی محفوظ رکھے۔ جہیز کے اندر شوہر کے لیے فلاں چیز، فلاں چیز، بیوی کے لیے اتنے جوڑے اور اعلیٰ قسم کے جوتے، کہ جو عمر بھر اس کے سر پر پڑتے رہیں، تو بھی ختم نہ ہوں۔ گھر کا پورا فرنیچر، قالین، آرائش کا سامان اور ساتھ ہی گاڑی بھی ہو۔ یہ اسلام کی تعلیم نہیں ہے''۔(نیٹ پر موجود بیان سے اقتباس)

۱۱۔ عارف باللہ، حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ کی رائے گرامی:

''مہنگے جہیز کا بائیکاٹ کیجیے۔ایسی جگہ ہرگز شادی نہ کریں؛ جہاں جہیز کا مطالبہ ہو،خواہ کوئی بدنام کرے یا کچھ بھی کرے۔اور لڑکے والوں کو بھی چاہیے کہ لڑکی والوں سے لڑکی تو مانگیں ؛لیکن جہیز کی فرمائش نہ کریں۔ بیٹی والوں سے دولت اور کار اور موٹر نہ مانگیں، امریکہ جانے کا کرایہ نہ مانگیں ، بھیک نہ مانگیں ، کیونکہ یہ بھی بھیک مانگنا ہی ہے۔

بیٹی کو اس طرح طعنہ دینا کہ تمہارے باپ نے کچھ نہیں دیا، یہ حرام ہے، یہ گناہِ کبیرہ

ہے۔آج بیٹی والے سے کہاجاتا ہے کہ میرالڑکاایم ایس سی کررہاہے،اس کوامریکہ بھیجناہے،اس کاخرچہ آپ کودیناپڑے گا،موٹرسائیکل دینی پڑے گی۔اوراگراورزیادہ لالچی ہے،وہ تو کہتا ہے کہ کاربھی دو،فریج بھی دو،یہ رشوت ہے رشوت،سن لو!یہ حرام ہے،حرام ہے،حرام ہے،گناہِ کبیرہ ہے۔لڑکی والوں کواس طرح پریشان کرنا معاشرہ کا ناسوراورکینسرہے،یہ کھلم کھلا بے غیرتی ہے۔

نہایت ہی بے غیرت ہے وہ داماداوراس کے والدین؛جو بیٹی والے سے کہتے ہیں کہ ہمیں بیٹے کے لیے موٹربھی ملے۔ارے کمبخت!بھیک مانگنے والے! تجھے شرم نہیں آتی؟غیرتِ انسانیت اورحیاء کے خلاف ہے کہ بیٹی والے سے یہ سب چیزیں مانگ رہے ہو،تو جورشوت کا حکم ہے وہی اس کا حکم ہے۔وہ پندرہ سال پال کراپنے کلیجے کا ٹکڑا تجھے دے رہاہے اورتم ظلم بالائے ظلم کرتے ہو،وہ تمہیں کاربھی دے،فلیٹ بھی دے،یہ کیا چیز ہے؟آج بہت سی بیٹیاں اسی ''منحوس'' رسم کی وجہ سے خودکشیاں کرکے حرام موت مررہی ہیں''۔(رسوماتِ شادی کی اصلاح:٤٥)

١٢۔ مولانامفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب کی رائے گرامی:

''آج ہمارے معاشرے کے اندرجہیز''لعنت'' کی صورت اختیارکرچکاہےاوراب تو اللہ تعالیٰ بچائے،لڑکے والے خودفہرست پیش کرتے ہیں،اوردرخواست کرتے ہیں کہ جہیز کے اندرفلاں فلاں چیز دیناضروری ہے،جب تو رشتہ منظورہے،ورنہ ہمیں منظورنہیں۔یہ شادی تو نہ ہوئی دکانداری ہوگئی،سودے بازی ہوگئی،گویاعورت اصل مقصودنہیں جہیزاصل مقصود ہے۔اب الٹامعاملہ ہے کہ رشتہ بعد میں ہوتا ہے پہلے یہ پوچھا جاتا ہے کہ آپ جہیز میں کیادیں گے؟بلکہ لڑکے والے باقاعدہ شرطیں لگاتے ہیں کہ فلاں فلاں چیزبھی دینی ہوگی،یہاں تک کہ یہ باتیں سننے میں آتی ہیں کہ کاربھی دینی ہوگی،دکان اوربنگلہ بھی دیناہوگا،یعنی کہ بالکل ہی انسان انسانیت سے نکل چکا ہےاورجانورسے بدترہوگیاہے۔اس معاملہ میں نہ حیاءرہی نہ شرم رہی،نہ غیرت رہی اورنہ کسی چیز کا پاس رہا،معلوم ہوتا ہے کہ بالکل ہی دنیا کے پجاری بن گئے ہیں۔پھر

وہاں کوئی شادی کامیاب بھی نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہاں شادی اور نکاح مقصود ہی نہیں ہوتا، پیسہ مقصود ہوتا ہے، اور جب پیسہ مل گیا تو جہاں پیسہ پر شادی ہوتی ہو، وہ کہاں کامیاب ہوتی ہے؟ اور اس میں خیر کیسے ہو سکتی ہے؟۔

اس میں تو بس طعن وتشنیع کی بارش ہوتی ہے، پہلے ہی دن سے لڑکے والے جہیز کے اندر عیب نکالنے شروع کر دیتے ہیں کہ اچھا تو یہ دیا ہے، وہ دیا ہے اور ہم تو سمجھ رہے تھے کہ اتنا ملے گا، حالانکہ اتنا سا دیا ہے، اور لاؤ، وہ لاؤ، یہ دو، وہ دو، اور جو کچھ دیا اس میں بھی دس عیب نکالتے ہیں کہ فرنیچر خراب ہے، یہ بہت گھٹیا ہے، یہ بہت سستا ہے اور تمہارے ماں باپ نے دیا ہی کیا ہے؟ رات دن طعن وتشنیع بہو پر ہوتی رہتی ہے۔ شوہر کی بہنیں بھی، اس کی ماں بھی، باپ بھی اور خاندان والے بھی اس پر لعن طعن کرتے رہتے ہیں؛ جس کی وجہ سے اس کا ایک دن بھی زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور اگر لڑکے والے یہ شرطیں نہ بھی لگائیں تو زیادہ سے زیادہ جہیز دینے کا چونکہ اب فیشن بن گیا ہے، لہٰذا لڑکی والے بھی اپنی حیثیت سے بڑھ کر دیتے ہیں۔

جہیز کے لئے سودی قرض لینا:

جہاں تک مجھے معلوم ہے بعض لوگ سودی قرض لے کر جہیز دیتے ہیں، زکوٰۃ مانگ کر دینے کا تو عام رواج ہو گیا ہے کہ جو معیار ہمارے معاشرے نے ایجاد کیا ہے، اس سے اگر اس کی مالی حیثیت کم ہے فوراً زکوٰۃ مانگنے کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ عزیزوں اور رشتہ داروں سے رجوع کیا جاتا ہے کہ جناب ہماری بچی کی شادی ہو رہی ہے، اور ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ ہزار افراد کی دعوت کر سکیں اور پانچ یا دس لاکھ کا جہیز دے سکیں۔ اور جب زکوٰۃ نہ ملی تو دکان بیچ دی یا مکان بیچ دیا، سودی قرض لے لیا اور پورے گھر میں جھاڑو پھیر دی۔

پھر یہاں بھی لعنت کی بارش ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے شریعت کی حدود کو پامال کر دیا اور ہم نے ''راہ سنت'' کو ترک کر دیا ہے، پھر اس کا تو یہ وبال ہی آئے گا، پھر شادی خانہ آبادی نہیں، بلکہ شادی خانہ بربادی ہوتی ہے۔ جب چاہیں جہاں چاہیں یہ حال دیکھ لیں، اس لڑکی کی زندگی اپنے ماں باپ کے گھر لاکھ درجہ بہتر تھی کہ

اس نے اپنے گھر سے جا کر یہ دن دیکھے،اس کی کئی وجوہات ہیں:اول تو جب آپ سودی قرض لے کر جہیز دیں گے تو وہ کیسے راس آئے گا ؟ نمائش کے لئے جب آپ جہیز دیں گے تو اس میں کیا خیر و برکت آئے گی ؟ اور جب لڑکے والے لڑکی والوں سے شرطیں لگا لگا کر جہیز لیں گے تو اس سے کیا راحت آئے گی ؟ لیکن آج کل ہمارے معاشرے میں یہ باتیں عام ہو چکی ہیں جس کی وجہ سے بچیوں کے رشتے نہیں ہوتے ،شادیاں نہیں ہوتیں۔اور جو ہو جاتی ہیں ہفتے دو ہفتے، مہینے دو مہینے کے بعد طلاق تک نوبت پہنچ جاتی ہے،تو وہ شادی ناکامی کا شکار ہو جاتی ہے''۔

(اصلا حی بیانات :۳/ ۱۳۲)

۱۳۔ مولانا ابوالکلام صدیقی صاحب کی رائے گرامی:

''جہیز ایک ایسی رسم ہے جو پوری طرح ہم پر مسلط ہوگئی ہے، اس کی وجہ سے کتنے رشتے ہیں کہ رکے ہوئے ہیں اور پھر اس کی وجہ سے لڑکیوں کو وراثت سے محروم کر کے شریعت کے حکمِ وراثت کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔جہیز کی رسم ختم ہو سکتی ہے، صرف ایک صورت میں، وہ یہ کہ لڑکے والے اس بات کا عہد کریں کہ ہم جہیز قبول نہیں کریں گے اور وہ لڑکی والوں سے کہہ دیں کہ ہم جہیز نہیں لیتے ،بغیر جہیز کے ہم آپ کی لڑکی لیں گے، یہی احسان آپ کا کیا کم ہے کہ آپ نے ہمیں اپنے جگر کا ٹکڑا عطا فرما دیا۔اگر یہ سوچ پیدا ہو جائے اور لڑکے والے جہیز لینا چھوڑ دیں تو یہ رسم ختم ہو جائے گی۔

لیکن ہمارے ذہن میں ایک بات ہے، کبھی آپ نے دیکھا ہو، میں نے بچپن میں دیکھا تھا کہ راستے میں تماشا دکھانے والے لائن بنا کر کھڑے ہیں،ان میں سے ایک اپنے ساتھ کھڑے ہوئے کو تھپڑ رسید کر دیتا ہے، وہ آگے دوسرے کو تھپڑ رسید کر دیتا ہے، دوسرا جب احتجاج کرتا ہے تو تھپڑ کھانے والا پہلا شخص یہ کہتا ہے کہ یہ تھپڑ ادھر سے مجھے آیا تھا میں نے آگے تیری طرف منتقل کر دیا ہے۔

معاشرے میں آج ہماری حالت ان ہی تماشا گروں کی سی ہوگئی ہے کہ جو چوٹ ہمیں

لگتی ہے بجائے اس کے کہ ہم احساس کریں کہ مجھے اس سے کتنی تکلیف ہوئی ہے یہی چوٹ جب دوسرے کو لگے گی تو اس کو کتنی تکلیف ہوگی؛ بلکہ ہم یہ چوٹ دوسرے کو منتقل کر دیتے ہیں۔ چونکہ میں نے اپنی لڑکی کو جہیز دیا ہے، اب میرے لڑکے کی شادی ہے تو میرے ذہن میں یہ بات آ گئی کہ جب میں نے جہیز دیا ہے، تو اب میں نے لڑکی والوں سے بھر پور جہیز لینا ہے، جتنا دیا ہے اس سے زیادہ لینا ہے، جب میں نے دیا ہے تو دوسرے سے کیوں نہ لیا جائے۔ یہ ایک ایسی دلیل ہے جسے وہی چھوڑ سکتا ہے جس کی نظر آخرت پر ہو اور وہ رزق اور مال میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرنے والا ہو۔

ہم نے دیکھا کہ کتنے افراد جنہوں نے جہیز لیے ہیں، آج وہ مالی تنگدستی میں مبتلا ہیں اور کتنے افراد ہیں جنہوں نے جہیز نہیں لیے، اللہ تعالیٰ نے اس طرح ان کو نوازا ہے کہ آج وہ معاشرے اور برادری میں خوشحال زندگی گزار رہے ہیں''۔

(فلسفہ نکاح و مسائل طلاق)

١٤۔ مفتی محمد طارق مسعود صاحب کی رائے گرامی:

''پوری قوم کہہ رہی ہے کہ جہیز لو، باقاعدہ لکھوایا جارہا ہے کہ جہیز میں کیا کیا دو گے، گاڑی بھی دو گے، ٹی وی بھی دو گے۔ علماء کہتے ہیں کہ جہیز لینا بے غیرتی ہے، بے شرمی ہے۔ پہلے سے فرنیچر گھر میں لا کر ڈال دو، کم از کم پہلی رات تو بیوی کو اپنے بستر پر سلاؤ، اتنی غیرت تو ہونی چاہیے، پہلی رات کو جس بستر پر دلہن سوتی ہے، وہ بھی اس کے ابا نے دیا ہوتا ہے۔ اور داماد بھی سسر کے دیے ہوئے بستر پر سو رہا ہے۔

بھائی! تمہیں اللہ نے بڑا بنایا تھا، عورت پہ خرچ کرنے والا بنایا تھا، تمہاری اسی وجہ سے تو معاشرے میں عزت ہے، تم کم از کم پہلی رات کو تو اپنا بستر مہیا کر دو اسے، وہ بھی کہتے ہو کہ بیگم! جب تم آؤ گی، تو بستر بھی ساتھ لیتے آنا۔ آپ کے گھر کوئی مہمان آئے، آپ اسے یہ کہتے ہوئے اچھے لگتے ہیں کہ یار! پلیٹیں اپنے ساتھ لیتے

آنا۔ دلہن سے زیادہ معزز مہمان کون ہوتا ہے؟ سب سے معزز مہمان انسان کی زندگی میں جو آتا ہے وہ دلہن ہے۔ اس کے لیے کتنے پاپڑ بیلتے ہیں، تو اس مہمان کا یہ اکرام ہے کہ بستر اپنے ساتھ لیتے آنا، بیگم! تکیہ اپنا ساتھ لیتی آنا، اور اس پر بچھانے کی چادر بھی اپنے ساتھ لیتی آنا۔

اور ہاں! جب تم آؤ تو مہمان بھی آئیں گے، تو صوفے بھی ساتھ لیتی آنا، تا کہ تمہارے گھر جب کوئی تمہارے چاچے ماموں آئیں، تو وہ صوفے بھی تمہارے ہونے چاہییں؛ جن پہ وہ بیٹھیں، اور پلیٹیں بھی لیتی آنا۔ بھائی! یہی تو ہو رہا ہے کہ ڈنر سیٹ بھی آ رہا ہے، صوفے بھی آ رہے ہیں، الماریاں بھی آ رہی ہیں، کارپٹ بھی آ رہے ہیں۔

آپ صرف اتنا کرتے ہیں خالی گھر کی صفائی کرا دیتے ہیں، باقی سب خرچے آپ کا سسرال کرتا ہے، یہ ساری چیزیں کہاں سے آتی ہیں؟ گھڑیاں بھی سسرال سے آ رہی ہیں، پاجامے، شرٹیں سسرال سے آ رہی ہیں۔ اللہ کے بندو! کیا کر رہے ہو، تمہیں چاہیے تھا کہ یہ ساری چیزیں تم دیتے۔ بھائی یہ سب ناجائز ہے، یہ جہیز لینا، اور یہ صوفے وغیرہ ڈرامے بازیاں غیرت کے خلاف ہیں۔

آپ لوگ جس طرح کرتے ہیں، اس میں آدمی کا بیڑا غرق ہو جاتا ہے، چند دن کا مزہ ہے، اس کے بعد لاکھوں روپے کے قرضے، ٹینشن اور پھڈے بازیاں ہوتی ہیں۔ اللہ کی نافرمانی کر کے کوئی کام کرو گے تو اللہ اس میں سکون اور اطمینان ختم کر دیتے ہیں۔

آپ کے فائدہ کی بات کر رہے ہیں علماء لوگ۔ یہ تو نہیں کہہ رہے کہ سادہ شادی کر کے پیسے ہمیں دو، ہم کہہ رہے ہیں کہ اپنے اوپر ترس کھاؤ، جن کی بیٹیاں ہیں، ان پر ترس کھاؤ، تا کہ ان کے لیے اپنی بیٹیوں کی شادیاں آسان ہو جائیں، جب سب کریں گے تو انسان کو شرم نہیں آئے گی، ورنہ ہر کوئی شرما شرمی میں جہیز دے رہا ہے، یار! سب نے دیا، اگر میں نے نہیں دیا تو لوگ کیا کہیں گے؟ اسی چکر میں ہر کوئی جہیز دیے جا رہا ہے۔ کم از کم دیندار تو التزام کر لیں اس رسمِ بد کے نہ لینے کا"۔ (نیٹ پر موجود بیان سے اقتباس)

۱۵۔ حضرت مولانا طارق جمیل صاحب مدظلہم کی رائے گرامی:

''کسی کی بیٹی ایک بول پر تمہارے گھر اپنی عزت لے کر آ گئی ہے، اب تم کہتے ہو کہ جاؤ اپنے گھر سے پیسے بھی لے کر آؤ، فریج بھی لے کر آؤ، موٹر بھی لے کر آؤ، ایسوں پر اللہ کی لعنت بھی برستی ہوگی اور مخلوق کی بھی برستی ہوگی، جو اتنے مقدس رشتے کو پیسوں پہ بیچ دیتے ہیں۔ اپنی اہلیہ کو طعنے دیتے ہو کہ '' تیرے باپ نے کچھ دیا تو ہے نہیں''۔ ارے! جس نے تجھے اپنی بیٹی دے دی، تجھے اور کیا چاہیے؟ اگر یہ جزا سزا کا جہان ہوتا، تو ایسے لوگ زمین میں دھنسا دیے جاتے''۔ (نیٹ پر موجود بیان سے اقتباس)

۱۶۔ مولانا ثاقب رضا قادری صاحب (مسلک بریلوی) کی رائے:

''بہت بڑی مصیبت جس نے غریبوں، بل کہ امیروں کی ناک میں بھی دَم کر رکھا ہے، وہ یہ جہیز ہے، کہ باپ ساری زندگی کماتا رہتا ہے، اور بیٹی کو دیتا ہے، پھر دوسری بیٹی کے لیے کماتا ہے، اسے روانہ کر کے پھر تیسری کے لیے کماتا ہے، اور ساری زندگی جہیز میں لٹا دیتا ہے۔ پوری دنیا میں یہ کہیں نہیں ہوتا، نہ شرق میں نہ غرب میں، کہیں بھی نہیں، صرف برصغیر میں ہے۔ یہ ایک ہندوانہ رسم ہے، اور اس رسم کو ہم نے سینے سے لگایا ہوا ہے، اور اس پر اتنی سختی سے پابند ہیں کہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ چیز بھی ہونی چاہیے اور یہ بھی ہونی چاہیے۔ جہیز کی باقاعدہ اشیاء ملتی ہیں، باقاعدہ مطالبے ہوتے ہیں۔ بھلا کوئی جہیز سے امیر ہوا ہے؟

یہ بھی مانگنے کا ایک طریقہ ہے۔ اسلام میں تو اس کی گنجائش ہی نہیں ہے، تحفہ آپ دے سکتے ہیں، لیکن اس کا بھی ایک مخصوص دائرہ ہے، اور اگر یہ سلسلہ ایک مرض بن جائے تو ایسے حالات میں اس تحفہ سے بھی گریز کرنا چاہیے، اور ایک اچھے معاشرے کی تشکیل کرنی چاہیے۔ اور اس کے لیے ظاہر ہے، جو بیٹیوں کے ماں باپ ہیں، ان کے لیے اس کے خلاف آواز اٹھانا بہت مشکل ہے، مشکل اس لیے کہ لوگ کہیں گے کہ بیٹی کو نہ دینے کے لیے کہہ رہے ہیں، بیٹی کو جب کوئی ایسے قبول نہیں کرتا، تو اگر کوئی جہیز کے بغیر بیٹی کا نکاح کرنا چاہے، تو اس کو کون قبول کرے گا؟ اس سلسلے میں سب سے اہم

ذمہ داری بیٹے والوں کی ہے، کہ وہ عزم کریں کہ ہم جب بھی مانگیں گےتو پیشانی سجدہ میں رکھ کراللہ سے مانگیں گے۔خود کمائیں گےلیکن کسی سے جہیزنہیں مانگیں گے،جس نے بیٹی دے دی اس نے کیاباقی رکھاہے؟جہیز کے خلاف عملی طور پرہمیں اٹھ کھڑاہوناچاہیے۔منبرومحراب سے بھی آوازاٹھنی چاہیے۔یہ اس غریب سے پوچھوجواپنا گھر بیچ کر بیٹی کوجہیز دیتا ہے۔کتنے بیٹے ہیں کہ وہ فیکٹریوں میں اوورٹائم لگا رہے ہیں، کہ اپنی بہنوں کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں۔

پچھلے دنوں میرے پاس ایک باپ آیا؛جس کی داڑھی سفید تھی،اس نے مجھے کہا کہ ’’حضرت! دعا کریں کہ میرامکان فروخت ہوجائے‘‘۔میں اس کوآسودہ حال سمجھتا تھا، میں نے کہا کہ کیوں؟ کہنے لگا کہ ’’میں نے دوبیٹیوں کی شادی کی تھی،قرض لیا ہوا تھا، اب مکان بیچنا ہے،تا کہ وہ قرض بھی اتر جائے، ہوسکتا ہے کہ مجھے تھوڑے سے پیسے بچ جائیں،تو میں کسی بستی میں ایک چھوٹا سا کٹیا زندگی گزارنے کے لیے خریدسکوں‘‘۔میں اس شخص کوظالم نہ کہوں جس نے غریب کی بیٹی سے جہیزلیاہے،اس کے دل میں کوئی ترس نہیں آیا،اللہ کا خوف نہیں آیا؟

آج کی اس مجلس میں یہ فیصلہ کرو،جن کی شادیاں نہیں ہوئیں وہ بھی،اورجن کواللہ نے اولاد دی ہے، وہ اپنے بیٹوں کے لیے فیصلہ کریں کہ ہم اپنے بیٹوں کے لیے جہیزنہیں لیں گےاوراس رسمِ بدکا ہم عملی بائیکاٹ کریں گے۔معاشرے کوسوکھا کرو،اذیت میں مبتلا نہ کرو۔یہ بہت بڑی نیکی ہے، ہے بہت مشکل کام،اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان مشکل گھاٹی نہیں چڑھا، اورمشکل گھاٹی کیاہے؟کسی پھنسے ہوئے کی گردن کوچھڑانا،غلام کوآزادکرانا،تودورِموجودکےاندروہ بوڑھاباپ پھنساہواہے؛جس کے پاس کچھ نہیں ہےاوراس کی دہلیز پہ بیٹیاں بوڑھی ہورہی ہیں‘‘۔(نیٹ پرموجودبیان سے اقتباس)

۱۷۔مولانا محمدشاکرعلی نوری صاحب(امیر دعوت اسلامی انڈیا) کی رائے گرامی:

’’جہیز کی رسم ہندوانہ ہے،اسلام میں اس کا کوئی تصورنہیں ملتا۔مسلمانوں نے

بھی ہندوؤں کی اس رسم کو اپنا لیا ہے۔اگر آپ قرآن کریم اور احادیثِ پاک کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ ان میں جہیز کا کوئی تصور نہیں ہے۔اسلام کے عائلی قوانین میں بھی جہیز کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔دورِ نبوی ﷺ میں سوائے حضرت فاطمہؓ کی شادی کے موقع کے کوئی ایسی شادی نظر نہیں آتی،کہ عین شادی کے موقع پر بیوی کے گھر والوں کی طرف سے سامانِ جہیز دیا گیا ہو۔حضرت فاطمہؓ کے ضروری سامان کی ضرورت بھی صرف اس لیے پیش آئی کہ حضرت علیؓ نبی کریم ﷺ کے زیرِ کفالت تھے،اوران کا الگ مکان اور گھریلو ساز و سامان نہ تھا،ورنہ نبی کریم ﷺ کی باقی تینوں بناتِ طاہرات کی شادیوں کے موقع پر ایسا نہیں ہوا،اور نہ ہی نبی کریم ﷺ کی اپنی ازواجِ مطہرات کے نکاح کے موقع پر کسی قسم کا جہیز دیا گیا ہے''۔(جهيز كى حقيقت:٤)

۱۸۔ مولانا سعادت علی خان صاحب (مسلک بریلوی) کی رائے:

''ہندوؤں کے جو رسم و رواج ہماری شادی بیاہ کا جز بن گئے ہیں،ان میں سب سے بڑی لعنت جہیز کی ہے؛جس نے لڑکیوں اوران کے والدین کی زندگی کو اجیرن بنا رکھا ہے۔ایسی لڑکیوں کو کوئی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا؛جن کے ساتھ بھاری جہیز ملنے کی توقع نہیں ہوتی،لڑکی والے خود بھی اپنی بیٹی کو بغیر جہیز کے رخصت کرنے پر تیار نہیں ہوتے،اس خوف سے کہ ساری زندگی لڑکی کو جہیز نہ لانے کا طعنہ ملتا رہے گا،اور وہ اپنی سسرال والوں بالخصوص ساس،نندوں اور دیگر عورتوں کی نظر میں حقیر رہے گی۔

حقیقت یہی ہے کہ یہ لعنت اس قدر عروج پر پہنچ چکی ہے کہ لوگ اپنے لڑکے کے لیے لڑکی نہیں جہیز تلاش کرتے ہیں،اور پہلے ہی سے آس لگائے بیٹھے ہوتے ہیں کہ بہو اتنا جہیز لائے گی کہ ہمارا گھر بھر جائے گا۔اور اب تو جہیز کا مطالبہ ہونے لگا ہے، فرمائشیں ہوتی ہیں کہ اپنی بیٹی کو آپ گاڑی ضرور دیں،تا کہ اسے آپ کے گھر آنے جانے میں دشواری نہ ہو،اس کے علاوہ ایرکنڈیشنز اور دوسرا ضروری سامان تو آپ دیں گے ہی۔کتنا مہذب طریقہ ہے بھیک مانگنے کا؟ یہ ہیں وہ لالچی لوگ جن کی وجہ

سے ہماری بیٹیوں کا رشتہ ملنا دشوار ہوگیا ہے۔ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے لڑکی والے ساری زندگی کے لیے قرضہ میں جکڑ جاتے ہیں،کسی نہ کسی طرح اپنی لڑکی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجاتے ہیں؛لیکن ان کی اپنی زندگی تباہ ہوجاتی ہے،بس ساری عمر قرضہ اتارنے میں گزر جاتی ہے''۔(جھیز کی حقیقت:۱۰)

۱۹۔ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی رائے گرامی:

''جہیز کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ۔یہ خالص ہندوانہ رسم ہے،یہ خالص ہندوانہ رسم ہے،یہ خالص ہندوانہ رسم ہے۔ہندوؤں میں کس لیے ہے؟وہ اس لیے ہے کہ ہندو مذہب میں شادی کے بعد عورت کا ماں باپ کے مال وجائیداد میں کوئی حق نہیں ہوتا۔اس لیے جب وہ گھر سے رخصت ہورہی ہوتی ہے،تو اسے جہیز کے نام سے ''دان خیرات'' دے کر فارغ ہوجاتے ہیں۔اسلام میں تو لڑکی شادی کے بعد بھی ماں باپ کی وارث ہے۔شادی کے موقع پر جہیز کی نام کی کوئی چیز اسلام میں نہیں ہے،بالکل نہیں

غلطی سے حضرت فاطمہؓ کے ضروری سامان کو جہیز کہہ دیا گیا ہے،اس میں ایک پیسا بھی نبی کریمﷺ نے نہیں دیا۔حضرت فاطمہؓ کے لئے حضور اکرمﷺ نے ان چیزوں کا انتظام حضرت علی المرتضیٰؓ کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے انہی کی طرف سے اور ان ہی کے مہر کے پیسوں سے کیا تھا،کیونکہ یہ چیزیں ان کے گھر میں نہیں تھیں۔روایات میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔بہرحال یہ اصطلاحی جہیز نہیں تھا۔ورنہ مدینہ میں ہی آپﷺ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کیا،ان کا گھر ہر چیز سے بھرا تھا،اس لیے وہاں جہیز نامی کوئی چیز نہیں تھی۔اسلام کا فلسفہ یہ ہے کہ لڑکی کے والد پر ایک پیسے کا بھی بوجھ نہیں ہے''۔(نیٹ پرموجود بیان سے اقتباس)

۲۰۔شیخ توصیف الرحمٰن صاحب (مسلک اہلحدیث) کی رائے:

''اللہ کے لیے اس ظلم (نظامِ جہیز) کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں،اس کی وجہ سے کتنی

اموات اور خودکشیاں ہوچکیں ہیں۔ میں اہلحدیث، اہلِ سنت اور اہلِ توحید سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ گھریلو سامان خود تیار کریں۔ آپ جس طرح باقی حدیثوں پر عمل کرتے ہیں اور کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے، اسی طرح شادی کے موقع پر بھیڑ بکریاں نہ بنیں، کہ جو ہاتھ لگے گا، کھالیں گے۔ مرد بنیں، اپنا سامان خود بنائیں۔ الحمدللہ! میں نے اپنی دونوں شادیوں کے موقع پر سسرال سے کسی قسم کا سامان وصول نہیں کیا۔

بعض لوگ جہیزِ فاطمہؓ سے غلط استدلال کرتے ہیں، کیونکہ وہ مہر کے پیسوں سے گھر کی چند لازمی اشیاء خرید کی گئیں، جو کہ حضرت علیؓ کے گھر میں موجود نہ تھیں۔ اس موقع پر اگر مہر کی رقم کے بجائے آپ ﷺ خود بھی ان مختصر چیزوں کا انتظام فرماتے، تب بھی مروجہ جہیز کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی، کیونکہ حضرت علیؓ آپ ﷺ کے زیرِ کفالت تھے، اور کفیل کے ذمہ ہوتا ہے اپنے زیرِ کفالت پر خرچ کرنا''۔

(نیٹ پر موجود بیان سے اقتباس)

محترم قارئین! جہیز اگر سنت عمل ہوتا تو ہر مسلک کے علماء کرام اسے کبھی لعنت سے تعبیر نہ کرتے اور نہ ہی اسے ہندوانہ رسم کہتے۔ سنت پر عمل کرنے کے لئے آپ کو کبھی قرض نہیں لینا پڑے گا، پریشان نہیں ہونا پڑے گا، مگر جہیز کیسی سنت ہے کہ اس کے لئے سودی قرض، رشوت ڈاکا اور زنا بھی روا ہے؟ بخدا جہیز کبھی سنت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ جو لوگ اسے سنت کہتے ہیں وہ نہایت سنگین غلطی پر ہیں۔

میری علماء کرام سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ یوں نہ کہا کریں کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کو جہیز مرحمت فرمایا تھا''۔ کیونکہ آپ کے کہنے کا مقصد تو یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے بنیادی دو تین چیزوں کا انتظام کیا؛ لیکن لوگ اسے مسرفانہ جہیز کی دلیل بنا دیں گے۔

☆......☆......☆

جہیز سے مقصود نہ ہدیہ ہے نہ صلہ رحمی

ہمارے اکابر حقیقتاً نبض شناش تھے، وہ ہر عمل کی تہہ تک پہنچے اور امت کو راہ سنت پر چلنے کی سعی ومحنت فرمائی۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ذات بابرکات سے کون واقف نہ ہوگا، آپ بلاشبہ حکیم الامت تھے، آپ نے ہر رسم وبدعت کا گہری نظر سے مشاہدہ فرما کر اسے طشت ازبام کیا۔ حضرت تھانویؒ مروجہ جہیز کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

''جہیز ہدیہ مقصود رہا نہ صلہ رحمی، بلکہ ناموری اور شہرت اور رسم کی پابندی کی نیت سے کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بری اور جہیز دونوں کا اعلان ہوتا ہے، مُعیّن اشیاء ہوتی ہیں، خاص طرح کے برتن بھی ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ جہیز کے اسباب بھی مُعیّن ہیں کہ فلاں چیز ضروری ہو اور تمام برادری والے دیکھیں گے۔ جہیز کی تمام چیزیں مجمع میں لائی جاتی ہیں اور زیور اور جہیز کی فہرست سب کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ آپ خود ہی بتائیں کہ یہ پوری ریاء ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ زنانہ کپڑوں کا مردوں کو دکھلانا کس قدر غیرت کے خلاف ہے؟ اگر صلہ رحمی مقصود ہوتی تو کیف ما اتفق جو میسر آتا بطور سلوک دے دیتے۔

اسی طرح ہدیہ اور صلہ رحمی کے لئے کوئی شخص قرض کا بار نہیں اٹھاتا، لیکن ان دونوں رسموں کو پورا کرنے کے لئے اکثر اوقات مقروض بھی ہوتے ہیں، گو سود ہی لینا پڑے اور گو باغ ہی فروخت یا گروی ہو جائے۔ پس اس میں التزام مالا یلزم (غیر لازم کو لازم کرنا) اور نمائش وشہرت، اسراف وغیرہ سب خرابیاں موجود ہیں، اس لیے یہ بھی بطریقِ متعارف ''ممنوعات'' کی فہرست میں داخل ہو گیا''۔

(اسلامی شادی : ۱۵۲)

مذکورہ عبارت کو توجہ کے ساتھ پڑھ کر بتائیں کہ کیا حضرت تھانویؒ جہیز کی بنیاد ناموری،

شہرت، اسراف کونہیں سمجھتے ؟اور جہیز کوممنوعات کی فہرست میں داخل نہیں فرمایا ؟ کیا اب بھی حضرت سے محبت کا دم بھرنے والے اس رسم پرعمل کرتے رہیں گے؟ ھدیہ اور رواج میں فرق سمجھیں۔ھدیہ کے لیے قرض کی ضرورت نہیں ہوتی۔

زیادہ جہیز دینے کی وجوہ:

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مجاز، حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے ''روشن ضمیر'' صحبت یافتہ، حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، زیادہ جہیز دینے کی وجوہ یوں ارشادفرماتے ہیں:

''لوگوں میں، خاص طور پر سسرال میں لڑکی کی بے عزتی نہ ہو۔شوہر پر بیوی کو برتری اور حاکمیت حاصل رہے۔ بہت زیادہ جہیز کوطلاق سے حفاظت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے کہ شوہراور سسرال والے مرعوب رہیں گے تو طلاق کا خطرہ نہیں ہوگا، حالانکہ اگرتقویٰ نہ ہوتو جتنا بھی جہیز دے دیں، ساس جھگڑے کے وقت کہتی ہے'' تو کس چیز پر ناچ رہی ہے، لائی کیا ہے، دو چیتھڑے''۔

ٹرک بھرکردے دیں پھر بھی طعنہ دو چیتھڑوں کا۔اس سے کسی طرح بچ نہیں سکتے۔بعض لوگ جہیزاس لیے دیتے ہیں کہ بچی کی دلجوئی ہوگی، اسے یہ خیال نہ ہو کہ کچھ نہیں دیا۔ اگراولاد کی دلجوئی ہی مقصود ہے تو اسے عمر بھر جب چاہیں ہدایا دے سکتے ہیں۔جہیز کے ہی نام سے اور اسی موقع پر کیوں؟ ریاء ونمود اور لوگوں کی واہ واہ حاصل کرنے کیلئے''۔ (جواھر الرشید :۷/ ۱۷)

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''اب جہیز محض ایک بیٹی کے لئے باپ کا تحفہ نہیں ہے، جو وہ اپنی خوش دلی سے اپنی استطاعت کی حد میں رہ کر دے؛ بلکہ معاشرے کا ایک جبر ہے۔ چنانچہ اس میں صرف بیٹی کی ضروریات ہی داخل نہیں بلکہ اس کے شوہر کی ضروریات پوری کرنا اور اس کے گھر کومزیّن کرنا بھی ایک لازمی حصہ ہے، خواہ لڑکی کے باپ کا دل چاہے یا نہ چاہے اسے یہ تمام لوازم پورے کرنے پڑتے ہیں''۔

محترم قارئین! اکابر کی ان تصریحات سے آپ خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ جہیز سے مقصود کیا ہے؟ بندہ ناکارہ نے اس سلسلے میں عوام کے بہت قریب ہوکر مشاہدہ کیا ہے، کئی لوگوں سے سوال کیا کہ آپ جہیز کیوں دیتے ہیں؟ جواب ملتا ہے: ''بھائی! کیا کریں، بیٹی کا گھر برباد تو نہیں کرنا۔ اگر جہیز نہ دیا تو اس کو ساری زندگی طعنے سننے پڑیں گے۔ جہیز کی وجہ سے داماد کا منہ بند ہو جاتا ہے، اس لیے بھاگ دوڑ کر کے جہیز دیا ہے''۔

یہ تو جہیز دینے والوں کی صورتِ حال ہے، پھر ہمیں کہا جاتا ہے کہ جہیز سے کیوں روکتے ہو؟ یہ صاف رشوت ہے؛ جیسا کہ مفتی عبدالرحیم صاحبؒ اور مفتی عبدالشکور صاحبؒ کے فتاویٰ لکھے جا چکے ہیں۔ اس حوالے سے ہمیں صحیح بخاری میں موجود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ قول یاد رکھنا چاہیے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ارشاد فرمایا:

''رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تو ہدیہ، ہدیہ تھا؛ لیکن آج تو وہ رشوت ہے''۔

(بخاری:۳۱۶/۳ کتاب الھبہ)

جب اس خیر کے زمانے کی یہ صورت حال تھی تو آج مادہ پرستی کے دور میں کیا عالم ہوگا؟ مشاہدہ و تجربہ شرط ہے، آپ، لوگوں کا سروے کریں، علیحدگی میں ان کے خیالات جاننے کی کوشش کریں، آپ پر عیاں ہوگا کہ یہ واقعی رشوت ہے، کہ داماد و سسرال کا منہ بند رہے۔

اتفاق سے ابھی جب میں یہ سطور لکھ رہا تھا، میرے ایک دوست کا فون آیا کہ فلاں صاحب نے بیوی کو طلاق دے دی ہے۔ ہم کچھ عرصہ قبل اس صاحب کے ہاں گئے تھے تو ان کی بیوی کا جہیز دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ ہر چیز کے کئی کئی سیٹ، ہر قسم کی مشینری، اعلیٰ قسم کا فرنیچر، لیکن نتیجہ ''طلاق''۔ جب تک تقویٰ جیسی نعمت نہ ہو تو یہ مادی چیزیں زندگی میں خوشیوں کی بہار نہیں لاسکتیں، حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے مبارک گھرانے ان چیزوں سے خالی تھے، لیکن رحمتوں برکتوں کا ان گھرانوں میں بسیرا تھا۔

☆......☆......☆

اگر جہیز کو مباح بھی مان لیا جائے!

پچھلی سطور میں ہم نے حضرات اکابرؒ کے حوالہ سے جہیز کا غیر مشروع اور معمول و مروّج نہ ہونا ثابت کیا ہے، نیز حضرات علماء کرام کی کتب سے جہیز کا ''ہندوانہ رسم'' اور ''ملعون ناسور'' ہونا آپ کے سامنے پیش کیا ہے، ان مضامین کو ملاحظہ فرما کر کوئی ذی شعور انسان جہیز کو سنت نہیں مان سکتا۔ چنانچہ پیچھے مڑ کر پھر دیکھ لیجئے کہ سنت کی تعریف جہیز پر منطبق نہیں ہوتی اور حضرت تھانویؒ نے اسے ''ممنوعات'' میں شمار کیا ہے۔ اب ہم بطور تنزل، کچھ دیر کے لئے فرض کر لیتے ہیں کہ جہیز ایک مباح (جائز) عمل ہے، لیکن اس کو مباح مان لینے کے باوجود بھی قواعد شرعیہ کے موافق مروّجہ جہیز کے عدم جواز کا قول کیا جائے گا۔

امرِ مباح غیر مشروع کے مل جانے کی وجہ سے ممنوع ہو جاتا ہے:

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

۱۔ ''فعل مباح بلکہ مستحب بھی کبھی امر غیر مشروع کے مل جانے سے غیر مشروع ہو جاتا ہے، جیسے دعوت میں جانا مستحب ہے بلکہ سنت ہے، لیکن وہاں اگر کوئی امر (بات) خلاف شرع ہو تو اس وقت جانا ممنوع ہو جائے گا۔ (کما فی الاحادیث والهدایه) اور اسی طرح نفل پڑھنا مستحب ہے، مگر اوقاتِ مکروہہ میں ممنوع اور گناہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امرِ مشروع بوجہ اقتران وانضمام غیرِ مشروع کے غیر مشروع ہو جاتا ہے۔ (تحفة العلماء: ۲/ ۱۱۰)

فقہاء نے لکھا ہے کہ جس مستحب میں مفسدے پیدا ہو جائیں اس کو چھوڑ دینا مستحب ہے، مستحب کے ترک پر ملامت جائز نہیں، خصوصاً جب اس مستحب پر عمل کرنے سے مفاسد پیدا ہوں، تو اس مستحب کو چھوڑ دینا چاہیے۔ (تحفة العلماء: ۲/ ۱۱۱)

۳۔ قاعدہ شرعیہ یہ ہے کہ جس عمل میں مفاسد غالب ہوں، اگر وہ عمل غیرِ مطلوب ہو تو نفس عمل سے منع کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر مطلوب ہو تو عمل سے منع نہیں کیا جاتا، بلکہ ان

مفاسد کا انسداد کر دیا جاتا ہے۔(ایضاً)

٤۔ قاعدہ فقہیہ ہے کہ جس امرِ جائز بلکہ مندوب میں جو کہ اہتمام کے ساتھ مطلوب نہیں، مفاسد کا غلبہ ہو اس کو ترک کر دیا جاتا ہے، خواہ وہ فاعلین کے اعتبار سے ہو یا دوسرے عوام ناظرین کے اعتبار سے ہو۔ (تحفة العلما :٢/ ١١١)

٥۔ فقہاء اور صوفیا نے اس قاعدہ کا بہت لحاظ کیا ہے کہ جو مباح یا مستحب ''مفضی الی المعصیة'' یعنی کسی گناہ کا ذریعہ بن جائے وہ بھی ممنوع ہے ۔بعض لوگ فقہاء پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے بعض مباحات کو بھی حرام کر دیا ہے، مگر وہ اس راز سے بے خبر ہیں، حقیقت میں فقہاء نے مباح کو حرام نہیں کیا ؛ بلکہ مقدمہِ حرام کو حرام کہا ہے۔ اور عقلاً یہ قاعدہ مسلم ہے کہ واجب کا مقدمہ (ذریعہ) واجب اور حرام کا حرام ہے، تو وہ مباح جس سے فقہاء منع کرتے ہیں، مقدمہ حرام (حرام کا ذریعہ و سبب) ہونے کی حیثیت کے لحاظ سے وہ حرام کا فرد بن گیا''۔

(تحفة العلماء :٢/ ١١١)

عبارات بالا کا آسان الفاظ میں خلاصہ حسب ذیل ہے:

ایک عمل مباح) (جائز) ہے، لیکن اس میں بہت ساری غیر شرعی چیزیں داخل ہوگئی ہیں، یا وہ مباح عمل گناہوں کا ذریعہ بن رہا ہے، اور وہ مباح عمل شرعاً ضروری بھی نہیں تو ایسا عمل مباح نہیں رہے گا بلکہ ممنوع ہو جائے گا۔ اب ذرا جہیز کی طرف توجہ فرمائیں ۔ یہ بالفرض ایک مباح عمل ہے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس مباح میں اتنے کثیر مفاسد شامل ہو گئے ہیں کہ اسے ''جامع المفاسد'' کہا جائے تو عینِ حق ہے۔ اب ہم ترتیب وار ان مفاسد و غیر شرع امور کا ذکر کرتے ہیں جو جہیز کی وجہ سے ہو رہے ہیں:

١۔ جہیز کو مباح کی حیثیت سے نہیں ؛ بلکہ فرض کی حیثیت سے ادا کیا جاتا ہے۔ اور مستحب و مندوب عمل کو فرض کا درجہ دینا اپنی شریعت ایجاد کرنا ہے جو کہ شدید گناہ ہے۔ کون سی شادی ہے جو جہیز کے بغیر ہو جائے ؟ بلکہ اسی جہیز کے نہ ہونے کی وجہ سے لاکھوں لڑکیاں بے نکاحی اپنے ماں باپ کے گھر ''گل سڑ'' رہی ہیں ۔ اگر یہ صرف مباح ہے تو اس کے نہ ہونے پر نکاح کیوں رکے ہوئے ہیں؟

۲۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ ''لڑکا لڑکی جب بالغ ہو جائیں تو ان کی شادی کر دی جائے، اگر بلوغت کے بعد شادی نہ کی، اور لڑکا یا لڑکی گناہ میں مبتلا ہو گئے تو اس گناہ کی ذمہ داری والد پر بھی ہو گی''۔(مشکوٰۃ:۲/۲۷۱،باب ولی فی النکاح)اس رسم جہیز کی وجہ سے شریعت کے اس اہم حکم اور آپ ﷺ کے فرمان عالی شان کی نافرمانی ہوتی ہے۔ جب تک جہیز کا انتظام نہ ہو جائے، بالوں میں سفیدی بھی اتر آئے تب بھی شادی نہیں ہو پاتی۔

۳۔ اس رسم کو ادا کرنے کے لئے اکثر لوگ قرض اٹھاتے ہیں، حالانکہ شرعی عذر کے بغیر قرض اٹھانا جائز نہیں ہے۔ نیز اس موقع پر سودی قرض بھی حاصل کیا جاتا ہے۔سودی کاروبار کرنا، سود دینا یا لینا کبیرہ اور شدید ترین گناہ ہے، قرآن مجید میں سود کھانے والوں کے بارے میں فرمایا: ''اگر تم باز نہیں آتے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ''۔ سود کے متعلق حضور اکرم ﷺ کی بیان فرمودہ وعیدیں بھی مسلمانوں سے مخفی نہیں ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے ''شادی کے لئے قرض دینا گناہ ہے''۔

٤۔ جہیز بنانے کے لئے لوگ بھکاری بن کر جگہ جگہ مانگتے پھرتے ہیں، زکوٰۃ کے طالب بن کر سیٹھوں کی خوشامدیں کرتے ہیں، مساجد و خانقاہوں کے سامنے جھولی دراز کیے جہیز بنانے کے لیے سوال کرتے ہیں۔ حالانکہ غیر شرعی تقاضہ کیلئے خیرات و زکوٰۃ مانگنا جائز نہیں ہے، قیامت والے دن ایسے لوگ پریشان کن حالت میں پیش ہوں گے۔

٥۔ جہیز بنانے کے لئے لوگ رشوت لیتے ہیں، ڈاکے ڈالتے ہیں، چوریاں کرتے ہیں، اغواء برائے تاوان کرتے ہیں۔ایک مستند مجلّہ ''حیاء'' کے مطابق ایک عورت اپنی بیٹی کا جہیز تیار کرنے کے لئے اس کی عزت کو نیلام کرتی رہی۔بعض لوگ اپنی دکانیں جائیداد اور گھر تک بیچتے ہیں، حتیٰ کہ گردے بیچ کر جہیز بنانے کی خبریں بھی آتی رہتی ہیں۔

معروف ادیب، مولانا محمد احمد حافظ صاحب، سابق مدیر ''خواتین کا اسلام'' تحریر کرتے ہیں:

''یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ آج کے دور میں بیٹی کا رشتہ ڈھونڈنے میں کتنی دقتیں پیش آتی ہیں۔آج ہی ایک خط موصول ہوا ہے، جس میں لکھا ہے کہ کس طرح

ایک باپ نے اپنا گردہ بیچ کر بیٹی کا جہیز تیار کیا، اس لیے کہ سسرال والوں کا مطالبہ تھا کہ اگر جہیز نہ دیا گیا تو رشتہ ختم سمجھیں۔ بیٹیوں کی پیدائش پر عام لوگوں کی سراسیمگی بلا وجہ نہیں ہوتی ہے، وہ مستقبل کے کمر توڑ اخراجات سے خوف زدہ ہوتے ہیں۔ جو باپ بیٹی کا جہیز تیار نہ کر سکنے پر پنکھے سے پھندہ لگا کر موت قبول کر لیتا ہے کیا اس کے کرب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے؟''۔(خواتین کا اسلام : ٢٤ ربیع الاول ١٤٢٦ھ)

بندہ راقم کو اللہ تعالیٰ کے کئی بندے ایسے ملے جو متوسط خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا کہ ہماری کئی بہنیں ہیں، ان کا جہیز تیار کرنے کے لئے کئی لاکھ روپے کا انتظام کہاں سے کریں؟ ہمارا دل کرتا ہے کہ خودکشی کرلیں، ماں مجبور کرتی ہے کہ جہیز کا انتظام کرنا تم پر لازم ہے۔

٦۔ اللہ تعالیٰ نے بیٹی کو نعمت و رحمت بنایا، لیکن اس رسم جہیز کی وجہ سے اب بیٹی رحمت کی بجائے زحمت بن گئی ہے۔ ایک بیٹی کا متوسط جہیز کم از کم دو سے تین لاکھ میں تیار ہوتا ہے، والدین ایک بیٹی کے جہیز کو چار پانچ سال تک مختلف پریشانیاں برداشت کر کے تیار کرتے ہیں، اس کو رخصت کیا، آگے چار اور بیٹیاں شادی کی منتظر ہیں، اب والدین کے لئے یہ بیٹیاں رحمت و نعمت کا سبب بنی ہیں یا زحمت کا؟

ایک مزدور جو روزانہ تازہ کما کر اپنے گھر کا انتظام چلاتا ہے، آپ سوچیے تو سہی کہ اگر اس غریب کی تین چار بیٹیاں بھی ہوں، تو وہ کہاں سے ان کے جہیز کے لئے لاکھوں روپے کا انتظام کرے گا؟

٧۔ جہیز کا ایک سبب ریاء کاری اور لوگوں کی واہ واہ بھی ہے۔ نیز برادری کے طعنوں سے بچنے کے لئے انتظام کیا جاتا ہے۔ ریاکاری کو حضور سرور کائنات ﷺ نے شرکِ اصغر قرار دیا ہے۔

٨۔ جہیز کی وجہ سے قرآن کریم کے اہم حکم وراثت سے روگردانی کی جاتی ہے۔ شادی کے موقع پر لوگ بیٹی کو جہیز دے کر اسے وراثت سے محروم کر دیتے ہیں، حالانکہ حضرات علماء کرام فرماتے ہیں کہ بہت زیادہ جہیز بھی دے دیا جائے تب بھی بچی کا وراثت سے حق ختم نہیں ہوگا۔

٩۔ جہیز دلی خوشی سے نہیں؛ بلکہ بیٹی کو سسرال کے طعنوں سے بچانے کے لئے دفاعی طور پر دیا جاتا ہے اور اس کے لئے بہت سی حق تلفیاں کر کے اسے جمع کیا جاتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے

ارشادفرمایا: ”لا یحل ما ل مریء مسلم الاعن طیب نفس “۔ (سنن دارقطنی:۲/ ۲۰)
”خبردار! کسی کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے“۔ جوشخص زکوٰۃ وصدقات اور بھیک مانگ کراور قرض لے کر داماد کا گھر بھر رہا ہے، کیا وہ اپنی خوشی سے بھکاری بنا ہوا ہے؟ کیا وہ خوشی سے قرض اٹھار ہا ہے؟ ایسا مال تو بالکل حرام ہے۔ کاش داماد صاحب اپنے گھر کو سجانے سے پہلے، ذرا جہیز کے پس پردہ عوامل کا جائزہ لیں تو شاید جہیز لینے سے انکار کردیں۔

۱۰۔ جہیز جوایک بدترین اورنہایت سنگین گناہ کا سبب بنا ہوا ہے وہ زنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت میں فطری طور پر شہوت کا مادہ ودیعت فرمایا ہے، اوراس کی تسکین کے لئے نکاح کا پاکیزہ نظام قائم فرمایا، نکاح عفت وعصمت کا ذریعہ ہے؛ لیکن جب آپ تقاضائے شہوت کو پورا کرنے کے لئے صحیح اور جائز راستہ کو مسدود وتنگ کردیں گے، تو ظاہر ہے کہ لوگ اس فطری تقاضے کو پورا کرنے کے لئے ”ناجائز راہیں“ تلاش کریں گے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک دور میں نکاح کا عمل انتہائی آسان تھا، اس لیے زنا اس زمانے میں ناممکن نہیں، تو مشکل ضرور تھا، زنا کے واقعات انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ لیکن براہو نظام جہیز کا، جب سے یہ شروع ہوا تو نکاح ایک نہایت مشکل، نہایت مہنگا عمل بن گیا۔ جب تک لاکھوں روپے کا جہیز ودیگر رسوم نہ ہوں اس وقت تک شادی نہیں ہو پاتی، لہٰذا جہیز نے تقاضائے شہوت کو پورا کرنے کے آسان ترین عمل نکاح کو انتہائی مشکل بنا کر زنا کا دروازہ کھول دیا ہے۔ ایسے میں جب ہرطرف فحاشی وعریانی کا بھی دور دورہ ہو، موبائل اور ٹی وی کی بہتات ہو، تو زنا نہیں ہوں گے تو کیا ہوگا؟

جن گھرانوں میں دینی رجحان اور ”نگرانی“ کا عمل تسلی بخش ہے، ان گھرانوں کی بچیاں تو اپنی عصمت وعفت کو کچھ حد تک بچالیتی ہیں۔ لیکن جن گھرانوں میں پردہ ایک عیب سمجھا جاتا ہو، گھر میں جو رشتہ دار بناپردہ کے آئے جائے، تو کوئی روک ٹوک نہ ہواور نگرانی کو ایک بے فائدہ عمل سمجھا جاتا ہو، تو ایسے گھرانوں کی لڑکیاں اپنی عصمت کو کبھی محفوظ نہیں رکھ سکتیں۔

جہیز کے قائلین بھی تو کبھی جوانی کے لمحات سے گزرے ہوں گے، وہ سینوں میں ”دبی چیخوں“ کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ کیا انہیں نہیں معلوم کہ جوانی ایک آندھی ہے، جب یہ اپنی پہ آجائے تو کوئی خوش قسمت ہی اس سے بچ سکتا ہے۔ لڑکے ڈرامے اور فلمیں دیکھ کر زنا اور

اغلام بازی جیسے موذی امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں،اور جلق یعنی اپنے ہاتھ سے منی خارج کرنے کے عادی مجرم بن جاتے ہیں،جس سے ان کی دنیاوآخرت تباہ وبرباد ہوجاتی ہے۔

ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ قیامت کے دن جلق واغلام کے عادی مجرم کواللہ تعالیٰ نظر کرم سے نہیں دیکھیں گے اورانہیں پاک نہیں کریں گے۔مان لیا جہیز ایک مباح عمل ہے؛لیکن جناب یہ تو دیکھئے اس مباح نے کتنی عصمتیں داغدار کرادی ہیں؟اور کتنے شریف زادے اور زادیاں اپنے دامن کو پلید کر چکے ہیں؟اور کتنی صالحات بچیاں ایسی ہیں جواپنے نفس کی خواہش پر صرف اس لیےعمل کرنے سے گریزاں ہیں،کہ ان کے قلوب اللہ کے خوف سے معمور ہیں اور فکر آخرت ان کے ذہنوں میں رچی بسی ہے،نہ وہ احتجاج کرسکتی ہیں اور نہ کوئی ان کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔

ذیل میں ایک غمزدہ بیٹی کا درد بھرا خط پڑھیے جواس نے اسی تناظر میں لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامیہ میں نکاح کو کتنا آسان بنا دیا ہے کہ اس سے زیادہ آسان کوئی اور معاملہ نہیں ہوسکتا،اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین ہمیں عطا فرمایا اس میں ہماری نفسیات کو پوری رعایت دی ہے۔یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے دل میں عورت کے لیے اور عورت کے دل میں مرد کے لئے ایک کشش رکھی ہے۔اس کشش کا نتیجہ ہے کہ انسان کی فطرت یہ تقاضا کرتی ہے کہ زندگی مردوعورت کے باہمی اشتراک سے بسر ہو۔نکاح کر لینے سے جنسی ہیجان کم ہوجاتا ہے۔

یہ جنسی ہیجان انسان کی اخلاقی زندگی کا ایک ہلاکت خیز مرحلہ ہوتا ہے جو اپنے سکون کی خاطر مذہب واخلاق کی ہی نہیں شرافت وانسانیت کی بھی ساری پابندیاں توڑ ڈالنے سے گریز نہیں کرتا،مگر جب اس کو جائز ذرائع سے سکون مل جاتا ہے تو پھر یہ معتدل ہو جاتا ہے،ظاہر ہے کہ یہ جائز ذریعہ صرف شادی ہی ہوسکتی ہے۔مگر ہمارے معاشرے کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ اس میں کئی لڑکیاں ماں باپ کی دہلیز پر بیٹھی اچھے رشتوں کی منتظر ہیں،یہاں تک کہ ان کے بالوں میں چاندی اتر آتی ہے مگر اچھا رشتہ نہیں ملتا۔

دوسری وہ لڑکیاں ہیں،جن کی شادی ہوئی مگر آدھی ہوئی،میری بات پڑھ کر آپ سوچ رہے ہوں گے کہ شادی آدھی کیسے ہوسکتی ہے؟مگر ایسا تب ہوتا ہے جب لڑکیوں کے

نکاح یا منگنی کر کے بٹھا دیا جاتا ہے۔ ہمارے اردگرد بہت سی لڑکیاں ہیں جن کے نکاح ہوئے یا منگنی ہوئی مگر مختلف وجوہ (جہیز کے لئے مطلوبہ رقم کی عدم فراہمی وغیرہ) کی بنا پر شادی نہیں ہو رہی۔ جب یہ مدت اتنی طوالت اختیار کر لیتی ہے کہ انتظار ایک کرب کی شکل بن جاتا ہے، کیا کوئی اس وقت اس لڑکی کے جذبات کو سمجھ سکتا ہے جو انتظار کی ''سولی' پر لٹکی ہے۔ یہ انتظار بھی اس کے لئے کتنا کربناک ہے؟۔ خاص طور پر آج کے فحش دور میں جہاں بے حیائی اور بے غیرتی ہر طرف سے بانہیں پھیلائے مسلمانوں پر حملہ آور ہے اور شیطان کے چیلے ٹی وی اور کیبل پر بے حیائی کو گھر گھر عام کر رہے ہیں۔

مگر ایک پاک دامن لڑکی ان سب برائیوں کے آگے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتی ہے۔ اور اپنا دامن ان گناہوں سے بچا لیتی ہے، اتنا پیار و محبت اور سب کچھ اپنے شوہر کے لئے سنبھال رکھتی ہے، مگر اسے اپنے اوپر صبر کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اپنے جذبات کو مار مار کر یوں لگتا ہے کہ جیسے اپنے اندر یہ جذبہ مر گیا ہے اور جیسے اپنے اندر کچھ ٹوٹ گیا ہے' خوشی کی بات ہو تو زیادہ خوشی نہیں محسوس ہوتی، کیونکہ خوشی بانٹنے والے کی کمی ہوتی ہے، غم ہو تو اتنا ملال نہیں ہوتا کیونکہ تسلی دینے والا نہیں ہوتا۔ چہرے پر اداسی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔

دل کی حالت اس ویران باغ جیسی ہوتی ہے جس میں بہار کے باوجود پھول نہیں کھلتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شخصیت ''بکھر'' کر رہ جاتی ہے۔ یہی عمر ہوتی ہے جس میں لڑکیاں اپنی خواہشوں، آرزوؤں اور تمناؤں کے خواب بُنتی ہیں اور اردگرد کے تمام رشتوں سے امید رکھتی ہیں کہ اس کی بات سمجھیں، مگر کوئی جذبات نہیں سمجھتا، حالانکہ ماں، باپ، بہن، بھائی سب اس دور سے گزرتے ہیں، مگر وہ کہہ نہیں سکتیں اور کوئی سمجھ نہیں سکتا۔

ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین کاموں میں دیر نہ کرو، ایک نماز کا وقت ہو تو ادا کرنے میں، جنازہ تیار ہو تو دفنانے میں، اور لڑکا لڑکی جوان ہوں تو ان کی شادی کرنے میں۔ مگر آج کے مسلمان جہاں زندگی کے دوسرے معاملات میں دین کو بھول چکے

ہیں وہ اس معاملے میں دین کی بات پر کہاں عمل کر سکتے ہیں؟
وہ مسئلوں میں مزید الجھ تو سکتے ہیں مگر انہیں دین کی رو سے سلجھا نہیں سکتے۔ مگر اب مسئلہ یہ ہے کہ کیا آپ جوان عمروں کے جذبات سمجھ سکتے ہیں، خواہشوں، آرزؤوں اور تمناؤں کے خواب پورے کر سکتے ہیں؟ اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو اس کو پورا کرنے میں اتنی دیر نہ لگائیں کہ یہ جذبے کہیں ختم نہ ہو جائیں۔ بعد میں جب آپ اپنا فرض پورا کریں تو کہیں یہ ادھورا نہ ہو، فرض پورا تو ہوا مگر ادھورا ہوا''۔

(خواتین کا اسلام شمارہ:۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ)

غم زدہ بیٹی نے معلوم نہیں کہ کون سی اتھاہ گہرائی میں ڈوب کر یہ خط لکھا ہے۔ ہم کتنے بے حس، بے درد اور کتنے سفاک ہو چکے ہیں۔ یہ کسی ایک گھرانے کا مسئلہ نہیں ہر دوسرے گھر کی کہانی ہے، اور یہ ایک کہانی نہیں ہزاروں لاکھوں کہانیاں ہیں۔ حقیقت کے انکار کے باوجود حقیقت حقیقت ہی رہتی ہے۔

ہم نے معاشرتی طور پر جس رویے کو عام کیا ہے وہ ہے اونچا اسٹیٹس، بہترین بنگلہ، بہت سا جہیز، ظاہر ہے یہ سب چیزیں چٹکی بجاتے نہیں مل جاتیں، محنت کرنا پڑتی ہے، وقت لگتا ہے تب کہیں جا کر مقررہ معیار پورا ہوتا ہے، تب تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ اگر اللہ کی رحمت ساتھ نہ ہو تو ''دامنِ عصمت'' بھی تار تار ہو جاتا ہے۔ اور اس سب کے ذمے دار جہیز لینے اور دینے والے وہ والدین ہوتے ہیں؛ جو جھوٹی ''اَنا'' کی خاطر بیٹوں اور بیٹیوں کو ''انتظار کی سولی'' پر لٹکائے رکھتے ہیں۔

محترم قارئین کرام! ہم نے تفصیل کے ساتھ جہیز کی وجہ سے ہونے والے مفاسد کا تذکرہ کر دیا ہے۔ اب آپ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ فقہی قواعد کو پھر غور سے پڑھیں، اور جہیز کے مفاسد کو بھی توجہ کے ساتھ پڑھیں، اور پھر بتائیں کہ کیا جہیز ایسا مباح عمل نہیں ہے؛ جو اپنے ساتھ مفاسد کی طویل فہرست رکھتا ہے، اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے اور یقیناً ہاں میں ہی ہونا چاہیے، تو مذکورہ قواعد فقہیہ کے تحت جہیز واجب الترک ہے یا نہیں؟ جہیز کسی ایک معمولی گناہ کا نہیں؛ بلکہ بہت سارے کبیرہ گناہوں کا ذریعہ بن رہا ہے، مختصراً ان گناہوں کا تذکرہ پھر کر دیتے ہیں جو جہیز کی وجہ سے ہو رہے ہیں:

۱۔مباح عمل کو فرض کی حیثیت دینا۔ ۲ ۔نکاحوں میں تاخیر کا سبب۔۳۔سودی قرض اٹھانے کا سبب۔٤۔ غیر شرعی تقاضہ کے لئے زکوٰۃ وصدقات مانگنے کا سبب۔ ٥۔رشوت، ڈاکے اور اغواء کا سبب ۔٦۔خودکشی کا سبب۔۔۷۔ریاء کاری۔۸۔حکم وراثت میں رکاوٹ۔۹۔زنا کا سبب۔ ۱۰۔والدین کی مستقل پریشانی کا ذریعہ۔

جہیز کی وجہ سے ہونے والے ان گناہوں کو آپ نے پڑھ لیا، اب اس قاعدہ فقہیہ کو پھر پڑھیں: ''جو مباح یا مستحب ''مفضی الی المعصیة''یعنی کسی گناہ کا ذریعہ بن جائے، وہ بھی ممنوع ہے''۔(تحفة العلماء:۲/۱۱۲)

اب آپ یا تو اس بات کا انکار کردیں کہ جہیز کی وجہ سے مذکورہ گناہ نہیں ہو رہے، لیکن کوئی بھی صاحبِ عقل اس بات کا انکار نہیں کر سکتا، لہٰذا ان قواعد فقہیہ کی وجہ سے مرّوجہ جہیز مباح نہیں بلکہ غیر مباح اور منع کی فہرست میں داخل ہو گیا ہے۔

☆......☆......☆

جہیز کی رسم کو ختم کرنے کا ضابطہ

جہیز کی شرعی حیثیت سابقہ صفحات میں قدرے وضاحت سے لکھی گئی ہے، جس سے اس کا عندالشرع معمول ومروّج نہ ہونا، نیز اس کا ممنوع ہونا بھی بیان ہو چکا ہے۔اب ہمارے علماء کرام کو چاہیے کہ وہ اسے سنت کا درجہ دینے کی بجائے اس کی قباحتوں کو بیان کر کے اس کے عدم جواز پر زور دیں۔اس رسم کے خاتمے کے لئے آپ کو کڑوا گھونٹ پینا ہوگا، جب لوگ بار بار اس کے جائز نہ ہونے کو سنیں گے تو اس کو ترک کر دیں گے۔

جب اس رسم کی قباحت وشناعت لوگوں کی سمجھ میں اچھی طرح آ جائے گی ،تو پھر اس ہدیہ کے جائز ہونے کا قول کیا جائے گا جو کہ عندالشرع جائز ہے، کہ باپ اپنی بچی کو تحفہ تحائف دے سکتا ہے نہ کہ داماد کے خالی گھر کو بھرنے کا مکمل سامان۔بہر حال اب ان منکرات کی وضاحت کے بعد اس رسم کے جواز کا قول نہ کیا جائے۔میرا یہ نقطہ نظر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے مندرجہ ذیل بیان سے مستفاد ہے:''رسوم ورواج میں عمل کی تبدیلی بھی ضروری ہے، کیونکہ سینہ سے حرج اور لزوم نکلتا نہیں، مگر عمل کو ایک مدت تک بدل دینے سے۔اسی لیے اخراج حرج یعنی دل سے اس کی برائی ختم کرنے کے لئے ایسا کرنے سے ضرور عنداللہ ماجور ہوگا۔

اس کی نظیر حدیث شریف میں موجود ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ بعض روغنی برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمادیا تھا، پھر فرماتے ہیں پہلے میں نے روغنی برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فردیا تھا، اب اس میں نبیذ بنایا کرو، اور علت ارشاد فرماتے ہیں کہ برتن نہ کسی چیز کو حرام کرتا ہے اور نہ حلال نہ کرتا ہے، پھر اس کے باوجود منع فرمادیا تھا، وجہ صرف یہ تھی کہ لوگ شراب کے عادی ہیں، تھوڑے سے نشہ کو محسوس نہ کرسکیں گے۔اور ان برتنوں میں پہلے شراب بنائی جاتی تھی اس لیے خمر (شراب) سے پورا اجتناب نہ کرسکیں گے اور گناہ گار رہوں گے۔پس پورے اجتناب کا طریقہ یہی ہے کہ ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے مطلقاً روک دیا جائے، جب طبیعتیں شراب سے بالکل متنفر ہو جائیں اور ذرا سے نشہ کو پہچاننے لگیں تو پھر اجازت دے دی جائے۔

اسی طرح ان رسموں (جہیز، بری، نیوتہ، بارات) کی حالت ہے کہ ظاہری اباحت (جواز) کو دیکھ کر لوگ اس کو اختیار کرتے ہیں اوران منکرات کونہیں پہچانتے جوان رسوم کے ضمن میں پائے جاتے ہیں، تواس کے لئے اصلاح کا کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا سوائے اس کے کہ چند روز تک اصل عمل ہی کوترک کردیں۔

اور یہ بات کہ اصل عمل (جہیز ورسوم) باقی رہے اور منکرات عام طور سے دور ہوجائیں، سو، ہمارے امکان سے تو باہر ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا تو ہم کیا ہیں کہ اس کے سوا تدبیریں اختیار کرتے پھریں۔ جب ایک تدبیر عقلاً بھی مفید معلوم ہوتی ہے اور نقلاً بھی ثابت ہوچکی تو ضرورت ہی کیا ہے کہ اس سے عدول کیا جائے''؟(اسلامی شادی : ۲۰۸)

آپ کوحضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس بات سے اتفاق کرنا ہوگا کہ ان رسوم کے خاتمہ کی اصل تدبیر جوآپ ﷺ سے ثابت ہے کہ ان رسوم کوترک کردیا جائے، اوران کے جائز ہونے کا قول نہ کیا جائے۔

☆......☆......☆

مباح جہیز کون سا ہے؟

ہمارے اکابرؒ کی کتبِ فتاویٰ سے کسی کو اشکال ہوسکتا ہے کہ انہوں نے جہیز کو ایک مستحسن عمل قرار دیا ہے۔ سو، اس بارے میں بات اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ ہمارے اکابر نے جس جہیز کو مستحسن قرار دیا ہے وہ مروّجہ جہیز ہرگز نہیں ہے، کیونکہ انہی اکابرؒ نے مروجہ جہیز کو "ملعون، ہنداوانہ اور کافرانہ" عمل قرار دیا ہے اور اس کی پرزور تردید کی ہے۔ کچھ حضرات کے مضامین آپ ماقبل میں پڑھ چکے ہیں اور بعض علماء کے مضامین جہیز کے متعلق آگے آنے والے ہیں، سب نے جہیز کی پر زور مذمت کی ہے۔

معلوم ہوا کہ وہ جہیز جس کو مستحسن کہا گیا ہے وہ ہمارے زمانے والا مروّجہ جہیز نہیں ہے، ورنہ اس کی مذمت اور تردید کی کیا ضرورت تھی؟ باقی رہی یہ بات کہ پھر وہ کون سا جہیز ہے جو مستحسن ہے؟ مستحسن و مباح وہ مختصر سے تحفے تحائف اور زندگی کی بنیادی ضروری اشیاء ہیں جو والدین بناء کسی ریاء و نمود کے محض خوش دلی سے اپنی بیٹی کو عطا کریں۔ داماد کے خالی گھر کو بھرنے والا جہیز تحفہ نہیں بلکہ ظالمانہ رسم ہے۔ اکابرؒ نے جس چیز کو مباح قرار دیا ہے، ہم اس کی آڑ میں غیر شرعی اور غیر اخلاقی جہیز کو رواج دیے ہوئے ہیں۔

حضرات اکابرؒ نے جس جہیز کو مستحسن قرار دیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

> اول اختصار، یعنی گنجائش سے زیادہ کوشش نہ کرے۔ دوم ضرورت کا لحاظ کرے، یعنی جن چیزوں کی سردست ضرورت واقع ہو، وہ دینا چاہیے۔ اعلان نہ ہو، کیونکہ یہ تو اپنی اولاد کے ساتھ صلہ رحمی ہے، دوسروں کو دکھلانے کی کیا ضرورت ہے؟۔
>
> (اسلامی شادی : ۱۵۲)

اکابرؒ کے ان جیسے فتاویٰ کو ہاتھوں میں لے کر جہیز کے جواز کا قول کرنے والے حضرات سے میری دردمندانہ گزارش ہے کہ خدارا بتائیں بیٹی کو دینے کے جو طریقے اور قواعد ہمارے اکابرؒ نے لکھے ہیں، کیا ان کے موافق ہی دیا جا رہا ہے؟ جن شرائط کے ساتھ اکابر نے تحفہ تحائف کی

اجازت دی، ویسا ہم کر نہیں رہے اور جن سے منع فرمایا ہے ان کو بلا دھڑک کیا جا رہا ہے۔

اکابرؒ کے ان فتاویٰ کو بہانہ بنا کر جہیز لینے دینے والے ذرا بتائیں کہ کیا ان کا جہیز صرف گنجائش کی حد تک ہوتا ہے؟ جن چیزوں کی اشد ضرورت ہو صرف وہی دی جاتی ہیں؟ شادی کے ایام کے گزر جانے کے بعد بلا تشہیر دیا جاتا ہے؟ ہرگز نہیں، آج ۹۹ فیصد جہیز ان شرائط کو پامال کر رہے ہیں؛ لیکن پھر بھی نام اکابر کا لیا جاتا ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''اسلامی شادی'' کو آڑ بنا کر بہت لوگ مغالطے دیتے ہیں، حضرتؒ کی اسی کتاب سے ہم یہ حوالہ نقل کر چکے ہیں کہ

''نہ اب یہ ہدیہ مقصود رہا، نہ صلہ رحمی، بلکہ ناموری اور شہرت اور رسم کی پابندی کی نیت سے کیا جاتا ہے''۔(اسلامی شادی : ۱۵۲)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کتاب میں بیٹی کو دینے کا صحیح طریقہ بھی بیان فرمایا ہے، آیئے ہم وہ طریقہ پڑھیں اور غور کریں کہ کیا حضرت بھی اسی طریقہ کے قائل تھے؟

بیٹی کو دینے کا صحیح طریقہ:

فرمایا: ''لڑکی کو جو کچھ دینا ہو اس کو رخصتی کے وقت نہ دینا، کیونکہ وہ اس کو دینا نہیں ہے بلکہ وہ تو ساس کو دینا ہے۔(جہیز کا سامان) اگر لڑکی کے ہمراہ نہ کیا جاتا تو عقل کے موافق تھا، کیونکہ یہ سب سامان لڑکی ہی کو دیا جاتا ہے، اور اس وقت وہ قبضہ نہیں کرتی اور نہ اس کو خبر ہوتی ہے۔ اس کو دینا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سردست اپنے گھر رکھو، جب وہ خوب گھل مل جائے اور پھر وہ اپنے گھر آئے، اس وقت وہ تمام سامان اس کے سامنے رکھ دو، اور کہو کہ یہ سب چیزیں تمہاری ہیں، ان میں سے جتنی ضروری ہوں، اور جتنا تیرا دل چاہے اور جب جی چاہے اپنے سسرال لے جانا۔ اور مصلحت یہی ہے کہ وہ ابھی سامان نہ لے جائے۔

کیونکہ اس وقت تو اس کو کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ ''گھریلو ضروریات کی چیزیں مہیا کرنا مرد کی ذمہ داری ہے'' کسی وقت جب ضرورت ہوگی لے جائے گی۔ یہ طریقہ عقل کے موافق ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں ریاء بھی نہیں، مگر چونکہ کوئی تفاخر اور

دکھاوانہیں ہے اس لیے کہ ایسا کوئی بھی نہیں کرتا۔اور اگر کوئی ایسا کرے تو لوگ اسے برا بھلا کہیں گے اور کنجوس بھی بنا دیں، کہیں گے کہ خرچ سے بچنے کے لئے شریعت کی آڑ پکڑی ہے؛ لیکن شریعت اور عقل کے موافق صحیح طریقہ یہی ہے"۔(اسلامی شادی : ۱۵۶)

آپ اپنی بیٹیوں کو دیجئے اس طریقہ کے موافق؛ جس میں نہ ریا ہے نہ شہرت۔اور اس طرح دینے میں کسی قرض کی ضرورت ہے نہ کسی پریشانی کی۔اور نہ اس طرح دینے میں لڑکیاں انتظار کی "سولی" پر لٹکیں گی۔اگر آپ کے داماد ما شاء اللہ! کھاتے پیتے گھرانے کے فرد ہیں، پھر تو گھریلو ضروریات کی فراہمی انہی کی ذمہ داری ہے۔اور اگر وہ غریب، نادار اور بے روزگار ہے، تو تعاون کا ایک طریقہ میرے ذہن میں بھی ہے۔

اور یہ طریقہ ایک طرح کا امتحان بھی ہے کہ جہیز سے صرف بیٹی کو خوش کرنا اور نوازنا مقصود ہے یا برادری و سسرال کے طعنوں سے بچنا۔وہ طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنی بیٹی کو جو کچھ دینا چاہتے ہیں، اس کی قیمت آپ کسی کو بھی بتائے بغیر اپنے ہونے والے داماد صاحب کے حوالہ کر دیں۔اور اسے کہیں کہ ان سے گھریلو ضروریات کی چیزیں خرید لو، اور کسی کو بتانا بھی نہیں کہ یہ پیسے میں نے تمہیں دیے ہیں۔

اس طرح آپ کا داماد پریشانی سے بچ جائے گا اور آپ کا مقصود بھی حاصل ہو جائے گا کہ آپ نے بیٹی کو نواز دیا۔اگر آپ ایسا کرنے کیلئے تیار ہیں، تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کے دل میں صرف بیٹی کو دینے کا جذبہ ہے باقی کوئی تقاضا نہیں۔اگر کوئی اس طریقہ سے دے تو یہ بھی بے ضرر ہے؛ لیکن اس صورت میں آپ کو طعنے ملیں گے، کیونکہ پیسے دینے کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ اور آپ دو کے سوا کوئی نہیں جانتا ہوگا تو لوگ یہی کہیں گے کہ اس نے جہیز نہیں دیا۔

☆......☆......☆

جہیز مرد کی مردانگی کے خلاف ہے

جہیز کی شرعی حیثیت تو آپ پر واضح ہو چکی ہے۔اب ذرا ایک اور انداز سے اس کا جائزہ لیں۔آپ حضرات نے کئی دفعہ سنا ہوگا''فلاں اتنا بے غیرت ہے کہ اپنی عورت کی کمائی کھاتا ہے'' گویا کہ ہمارے معاشرے میں غیرت مند آدمی وہ ہے؛ جو خود کمائے اور گھر والوں کو کھلائے۔اور جو خود نکھٹو بن جائے اور اس کے گھر والے کما کر اسے کھلائیں،تو یہ غیرت کے خلاف ہے۔

ہمیں یہ بات جہیز کے معاملے میں سمجھ کیوں نہیں آتی؟ کیا فرق ہے ان دونوں میں؟ داماد صاحب،اپنی شادی سے چند دن قبل اپنے کمرے کو رنگ کرا کے بالکل خالی کر لیتے ہیں،اس طمع میں کہ بیوی صاحبہ اس کمرے کو بھرنے کے لئے سامان ساتھ لائے گی۔مکان آپ کا،سامان سارا آپ کی بیوی کا،یہ بات کس قدر مرد کی مردانگی کے خلاف ہے؟ میرے پاس وہ الفاظ نہیں کہ واضح انداز میں آپ کو یہ بات سمجھا سکوں۔

اگر کوئی آدمی دولہا صاحب کے کمرے میں داخل ہو کر پوچھنا شروع کرے کہ''جناب یہ بسترے،الماریوں میں سجے قسم قسم کے برتن،یہ فریج،یہ ائیر کولر،یہ پیٹی،یہ واشنگ مشین،یہ اعلیٰ پیمانے کا ڈبل بیڈ،یہ خوبصورت فرنیچر کس کا ہے''؟ تو دولہا صاحب کیا جواب دیں گے؟۔آپ کے مہمان آ گئے،آپ نے ان کے لئے خوبصورت چار پائیاں اور بسترے سجا دیے،اسی اثناء میں کسی منچلے نے سوال داغ دیا کہ''جناب یہ چار پائیاں اور بسترے کس کے ہیں''؟ بتایئے غیرت مند کے لیے مقامِ ندامت ہے یا نہیں؟

آپ کا بیوی سے ہلکا سا جھگڑا چل رہا تھا،اور آپ کے دوست ڈرائنگ روم میں آپ کا انتظار کر رہے تھے،آپ نے جھگڑے کو درمیان میں چھوڑا اور''واٹر سیٹ''میں ٹھنڈا پانی ڈال کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے۔اچانک بیگم صاحبہ کے یہ الفاظ آپ کے کانوں میں گونجے''جناب!اپنے مہمانوں کو پانی اپنے برتنوں میں پلایئے،میرا واٹر سیٹ رکھ دیجئے''۔بتاؤ آپ کے دل پر کیا گزرے گی؟۔اور حقیقت میں سامانِ جہیز ہے ہی اسی کا۔

یہ سب چیزیں خلافِ شریعت، خلافِ عقل اور خلافِ مردانگی ہیں۔ مرد وہ ہوتا ہے جو خود کمائے اور گھر والوں کو کھلائے۔ کپڑے، واشنگ مشین، فرنیچر، ڈنر سیٹ اور گھر کی تمام اشیاء اس کے اپنے پیسوں سے خریدی گئی ہوں۔ وہ کیا مرد ہے جو مالِ عورت پر اپنی زندگی کو پر تعیش بنائے؟ اگر آپ اپنی گھریلو زندگی کی چیزیں خود اپنے پیسوں سے بنا کر رکھیں، تو عورت کو کبھی ایسی جرأت ہوسکتی ہے کہ وہ کہے کہ میرے سامان کو ہاتھ مت لگانا؟

مجھے ایک بزرگ نے اپنے ایک دوست کا واقعہ سنایا کہ اس کا ایک مرتبہ اپنی بیوی صاحبہ سے جھگڑا ہوگیا، اتفاق سے وہ مکان بھی اس نے بیوی کے نام کرایا ہوا تھا۔ جھگڑے نے جب طوالت اختیار کی تو بیوی صاحبہ نے قدرے جوش میں شوہر نامدار کو للکارا کہ جناب فلاں چیز کس کی ہے؟ فلاں شے کس کی ہے؟ غرض کمرے کی ہر چیز جو کہ اس کے جہیز ہی کی تھی، کی طرف اشارے کر کر کے وہ پوچھتی رہی کہ یہ کس کی ہے؟ شوہر صاحب جواب دیتے رہے کہ تمہاری ہے۔

آخر میں بیوی نے اپنے تیر سے آخری تر کش نکالا اور پوچھا: یہ مکان کس کے نام ہے؟ شوہر نے کہا: تیرے نام ہے۔ جونہی شوہر نے یہ الفاظ کہے تو بیوی نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا: دفع ہوجاؤ یہاں سے، تیرا یہاں ہے ہی کیا؟ اے غیرت مند جوانو! اس واقعہ سے عبرت حاصل کرو اور اپنے گھر کی بنیادی ضرورتیں خود ہی بنا لیا کرو۔ عورت کے مال کی طرف کبھی توجہ اور طمع نہ کرو اور شادی سے پہلے ہی اس جہیز؛ جسے بھیک کہنا چاہیے، سے انکار کردو۔

ایک واقعہ تو خود میرے سامنے کا ہے۔ میرے ایک دوست نے کسی بات پر بیوی کو ''جھاڑ پھونک'' کی، تو وہ اپنے میکہ چلی گئی، صلح کی بجائے طلاق کی باتیں ہونے لگیں۔ ان کے سسر صاحب مجھے اور ہر محفل میں ان دنوں یہ بات ہی کہتے رہے'' میرے دیے ہوئے پلنگ پر سوتا ہے، جو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا ہوگا''۔ دوست صاحب نے جب بار بار یہی الفاظ لوگوں کے ذریعہ سے سنے، تو اس کی رگِ حمیت بھی پھڑک اٹھی اور اس نے کہا کہ ''اگر صلح ہو بھی جائے تو میری طرف سے یہ شرط ہوگی کہ یہ سارا سامان واپس لینا ہوگا''۔

بہرحال آپ اپنی استطاعت کے مطابق گھریلو سامان خود ہی تیار کریں، ضروری نہیں کہ آپ پورے گھر کو بھر کر ہی رکھ دیں، اور دنیا جہان کی چیزیں جمع کر دیں، نہیں بلکہ جو ضرورت کا سامان

ہو، آپ صرف وہی لائیں، آگے جس جس چیز کی ضرورت ہوتی جائے موقع بموقع لیتے جائیں۔ اسلام کا یہ کتنا پیارا اور آسان نظام ہے؛ لیکن ہم نے اس پیارے اور آسان نظام کو چھوڑ کر ہنداوانہ نظام اپنایا ہوا ہے۔ اس نظام میں لڑکے والے بھی پریشان اور لڑکی والے بھی پریشان، کیونکہ لڑکے والوں کو بَرِی بنانا ہوتی ہے اور اس میں سونے کا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ اور لڑکی والوں کو جہیز تیار کرنا ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

جہیز مرد کی ذمہ داری ہے

مذکور بالا مباحث سے جہیز کی شرعی حیثیت اور اس کے معاشرتی مفاسد کا حال اچھی طرح واضح ہو گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت نے لڑکی کے باپ پر یہ فریضہ ہرگز عائد نہیں کیا کہ وہ اپنے داماد کا گھر بسانے کے لئے گھریلو سامان، مثلاً: پلنگ، بستر ے، کھانے پکانے کے برتن اور دیگر گھریلو اشیاء وغیرہ بھی فراہم کرے، فرمائشی جہیز تو بہت دور کی بات ہے۔

قرآن کریم سے ثبوت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صاف صاف ارشاد فرمایا ہے کہ عورتوں پر مال خرچ کرنا شوہروں کی ذمہ داری ہے، کیونکہ عورتوں پر مردوں کی فضیلت کی وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ''۔ (سورہ نساء: ۳٤)

''مرد عورتوں پر بالا دست ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ مردوں نے اپنا مال عورتوں پر خرچ کیا ہے''۔

مردوں کی عورتوں پر فضیلت کی ایک قوی وجہ مردوں کا عورتوں پر مال خرچ کرنا ہے۔ اور مال خرچ کرنے کی کیفیت کیا ہو گی؟ چنانچہ اس سلسلے میں علامہ ابن کثیرؒ نے زیر بحث آیت کی تفسیر میں ایک نکتے کی بات تحریر فرمائی ہے، کہ مہر اور نفقہ کے علاوہ اس میں ہر قسم کے اخراجات بھی شامل ہو سکتے ہیں، جن کی ادائیگی کی تاکید قرآن اور حدیث میں کی گئی ہے۔ اسی بناء پر مرد کو گھر کا قیم، یعنی نگران اور ناظمِ اعلیٰ مقرر کیا گیا ہے:

"وبما انفقوا من اموالهم ای من المهور والنفقات والكلف التی اوجبها الله عليهم لهن فی كتابه و سنة نبيه ﷺ فا لر جل افضل من

المرا ء ة فی نفسه وله الفضل علیها والا فضال فنا سب ای یکو ن قیما علیها کما قا ل الله تعالی وللر جال علیهن درجة "۔

(تفسیر ابن کثیر :۲۶۱/۲)

قرآنِ کریم نے وضاحت وصراحت کے ساتھ ناظمِ مالیات مرد کو مقرر فرمایا ہے۔ جہیز کا نظام اس آیت قرآنی کے متصادم ہے، کیونکہ اس نظام میں ناظمِ مالیات کا عہدہ مرد نہیں، عورت کے پاس ہے۔ اور نظامِ جہیز کی وجہ سے مرد کی عورت پر فضیلت کی بجائے عورت کی مرد پر فضیلت پر لازم آتی ہے، جو کہ خلاف فطرت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے فضائل کے وجوہ میں ایک وجہ یہ بھی بیان فرمائی کہ وہ اپنے اموال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں، لیکن نظامِ جہیز میں عورت مرد پر خرچ کرتی ہے۔ اور نہ صرف اپنی ضروریات؛ بلکہ شوہرِ نامدار کی بھی تمام ضروریات اور لوازمات اپنے ساتھ لاتی ہے۔

کہنے کو تو یہ ایک رسم ہوگئی، مگر درحقیقت قرآن کریم کے بیان کردہ اصول وضوابط کی شدید خلافِ ورزی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت کا بادشاہ مقرر فرمایا ہے، اسباب فراہم کرنا بادشاہ کی ذمہ داری ہے نہ کہ رعایا کی۔ جو مرد اپنی اور بیوی کی ضروریات کا خود انتظام کرتے ہیں، وہ اپنے آپ کو "بادشاہ" اور بیوی کو "شہزادی" کے منصب پر فائز کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنی ضروریات بھی بیوی کے مال سے پوری کرتے ہیں، وہ بیوی کو بادشاہ اور خود کو شہزادی کا مقام دیتے ہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے؟۔

حدیث شریف سے ثبوت:

۱۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے جتنے نکاح فرمائے، آپ ﷺ نے کبھی اپنے سسرال سے جہیز وصول نہیں فرمایا۔ آپ کی تمام ازواجِ مطہرات بنا کسی جہیز کے، آپ ﷺ کے مقدس ومعطر گھر میں تشریف لائیں، آپ ﷺ ہی ان کی ضروریات کا انتظام فرماتے تھے۔

۲۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شادی کے موقع پر ان کے گھر کی ضروریات کا انتظام آپ نے اپنی طرف سے کیا تھا۔ آپ ﷺ کے اس طرزِ عمل سے ثابت ہوا کہ گھر کی ضروریات کا انتظام کرنا لڑکے والوں کی ذمہ داری ہے نہ کہ بچی والوں کی۔

۳۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جو مختلف احکام بیان فرمائے، ان میں ایک حکم یہ بھی تھا کہ ''عورتوں کی خوراک و پوشاک مردوں کے ذمہ ہے''۔(مسلم)

٤۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے جوانو! تم میں سے جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہو، وہ ضرور نکاح کرے''۔

(مشکوٰۃ: ۲٦۷/۲، کتاب النکاح)

اس حدیث میں اور اس مضمون کی دیگر احادیث میں آپ ﷺ نے نکاح کی استطاعت کی نسبت مَردوں کی طرف کی ہے۔ معلوم ہوا کہ نکاح کی جملہ ضروریات کے کفیل اور ذمہ دار مرد ہی ہیں۔

٥۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! میں جوان آدمی ہوں، اس لیے ڈرتا ہوں کہ گناہ میں نہ پڑ جاؤں، لیکن اتنی وسعت بھی نہیں کہ نکاح کر لوں''۔

(سنن نسائی: ٦۱/۲، باب النھی عن التبتل)

دیکھئے اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ نکاح کی وسعت کو اپنی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں شادی کے اخراجات کی پریشانی لڑکے والوں کو ہی ہوتی تھی، لیکن آج اس کے برعکس لڑکی والوں کو پریشانیوں کا سامنا ہے۔

٦۔ حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! میں خود کو آپ کی خدمت میں ہبہ کرنے کے لیے حاضر ہوئی ہوں''... جب اس عورت نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا تو وہ بیٹھ گئی۔ پھر ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ ﷺ کو اس کی حاجت نہیں، تو اس کو میرے نکاح میں دے دیجئے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے پاس کچھ ہے؟''۔

(بخاری، نسائی، مشکوٰۃ: ۲۷۷/۲۔ کتاب النکاح باب الصداق)

اس حدیث میں آپ نے شادی کے خواہش مند صحابی سے پوچھا کہ تیرے پاس کچھ ہے بھی یا نہیں۔ ہمارے ہاں تو لڑکی والے ہی ٹالتے رہتے ہیں کہ ابھی ہمارے پاس رخصتی کی فرصت و وسعت نہیں۔ جب ہر طرح کا سامانِ جہیز تیار ہو جاتا ہے، تب رخصتی ممکن ہوتی ہے۔ جب کہ زمانہ رسالت میں رخصتی کی فکر شوہر کو ہوتی تھی۔

۷۔ جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی رخصتی چاہی، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں کچھ انتظام کرنے کا فرمایا۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا: "ماعندی"، "میرے پاس کچھ نہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ تمہاری حُطمی زرہ کہاں گئی؟" (نسائی: ۸۱/۲، کتاب النکاح) چنانچہ وہی زرہ فروخت کرا کے ضروریات کا انتظام کیا گیا۔

اس حدیث میں صاف حکم موجود ہے کہ ضروریات کا انتظام شوہر نے کرنا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ضروری نہیں کہ وہ لاکھوں روپیہ صرف کرے، بلکہ فوری طور پر جو اشیاء ناگزیر ہیں، وہ لے لی جائیں۔ دین بہت آسان ہے، یہاں شوہر کو بھی اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

۸۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس عورت سے مہر، ھدیے یا سامان وغیرہ کے وعدے پر نکاح کیا گیا، اور یہ وعدہ نکاح کے انعقاد سے پہلے تھا، تو یہ سب عورت کا ہے۔ جب کہ جو کچھ نکاح کے بعد دیا جائے، وہ اسی کا ہے جسے دیا جائے۔ اور مرد کا جن چیزوں سے اکرام کیا گیا ہے، ان میں سب سے مکرم چیز بیٹی اور بہن ہے"۔ (سنن نسائی: ۷۹/۲، باب التزویج علی نواۃ، کتاب النکاح)

پہلے اس حدیث کا مطلب سمجھئے! کسی شخص نے کسی عورت کے اولیاء (ورثاء) سے اس عورت سے شادی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ عقدِ نکاح سے پہلے طے ہو گیا کہ اتنا حق مہر ہوگا، مہر کے علاوہ بخشش کی بھی شرط لگائی گئی، یعنی مرد سے کہا گیا کہ عورت کے فلاں عزیز کو یہ دینا ہوگا، فلاں کو یہ دینا ہوگا، مثلاً کپڑا جوتا وغیرہ اور اس طرح کی چیزیں، تو اس حدیث میں ہے کہ اس طرح کے لین دین کا جو وعدہ ہوگا، تو وہ چیز اس شخص کے لیے نہ ہوگی، جس کو نامزد کیا گیا ہے، بلکہ یہ سب چیزیں عورت ہی کے لیے ہوں گی، جس طرح مہر صرف عورت کے لیے ہوتا ہے۔ اور اگر یہ لین دین کی بات عقدِ نکاح کے بعد ہو تو جس کے نام سے دیا جائے گا، اسی کا ہوگا"۔

(الدر المنضود، شرح ابو داؤد: ۵۹/٤)

اس حدیث میں صاف صاف موجود ہے کہ مہر کے ساتھ دیگر ساز و سامان بھی مرد ہی کی جانب سے ہوتے تھے۔ ہمارے زمانے کے برعکس اس حدیث میں لڑکے والوں کی بجائے لڑکی کے اولیاء اور عزیزوں کو ھدیے اور تحائف دینے کا ذکر ہے۔

شارح ابوداؤد مولانا عاقل صاحبؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

''حدیث کے اس جملہ: ''اور مرد کا جن چیزوں سے اکرام کیا گیا ہے، ان میں سب سے مکرم چیز بیٹی اور بہن ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے نکاح میں جس شخص کی بیٹی ہو یا اس کی بہن ہو، یہ دونوں قابلِ اکرام واحسان ہیں...اکرام سے مراد صرف تعظیم ہی نہیں بلکہ ''عطاء اور بخشش'' بھی مراد ہے''۔

حدیث کا حکم تو یہ ہے کہ سسر اور برادرِ نسبتی کو هدیہ تحفہ دیا جائے، لیکن چونکہ ہم نے (اللہ معاف فرمائے) ہر وہ کام کرنا ہے جو حدیث کے الٹ ہو، اسی لیے ہم بجائے ان کی خدمت کرنے کے، ان کے خون پسینے کی کمائی سے خریدے ہوئے سامانِ جہیز پر عیش کرتے ہیں۔

علامہ قاضی شوکانیؒ نے اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے: ''باب حکم هدایاالزوج للمراۃواولیائها''، یعنی ''دلہن کو اور اس کے عزیزوں کو شوہر جو هدیے اور تحائف دے''۔ علامہ شوکانیؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

''یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بیوی کے اقرباء اور عزیزوں سے اکرام واحسان کا معاملہ کیا جائے۔ یہ مال ان کے لیے حلال ہے، حرام رسوم میں سے نہیں ہے''(نیل الاوطار:٦/٣٢٠،مطبوعه بیروت)

قاضی صاحب نے ان تحائف کے جائز وصحیح لکھنے کے بعد جو قیمتی بات لکھی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر ان تحائف کی صورت یہ بن جائے کہ وہ شادی کا لازمی حصہ بن جائیں۔ اور جب تک شوہر سے مہر کے ساتھ ساتھ ان تحائف کا انتظام نہ ہو سکے، تو شادی بھی نہ ہو پائے، تو پھر یہ هدیے ناجائز ہو جائیں گے۔

آپ غور فرمائیں کہ جو چیز حدیث سے بھی ثابت ہو، مگر اس میں حد سے تجاوز ہونے لگے، تو اس وقت وہ ثابت شدہ چیز بھی غیر لازم ہو جائے، مگر ہمارا جہیز جو ثابت بھی نہیں، اس کی وجہ سے ہزاروں رشتے رکے ہوئے ہیں، کیا یہ ابھی بھی جائز رہے گا؟۔ شرعی حکم ہے کہ غیرِ لازم کو لازم کر دینے سے، وہ ممنوع ہو جاتا ہے۔

فقہ سے ثبوت:

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ مکان کے ساتھ لوازمِ بیت

(گھریلوضروریات) کی فراہمی شوہر ہی پر واجب ہے :"اَلنَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِلزَّوْجَةِ عَلٰی زَوْجِهَا اِذَا سَلمَتْ نَفْسَهَا اِلیٰ مَنْزِلِهِ فَعَلَيْهِ نَفْقَتُهَا وَكِسْوَتُهَا وَ سُكْنَا هَا".

ترجمہ:''بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے، جب کہ وہ اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کر کے اس کے گھر آجائے، تو اس وقت شوہر پر بیوی کا خرچہ، اس کی پوشاک اوراس کے رہنے کی جگہ فراہم کرنا واجب ہے''۔

علامہ عبدالحی لکھنویؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''درمختار میں ہے: "اخذ اهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج ان يسترده لانه رشوة"۔ ''کہ لڑکی والوں سے اگر کچھ لیا ہے، تو شوہر کو چاہیے کہ واپس کردے، کیونکہ وہ رشوت ہے''۔ اوراسی کتاب کے باب الحظر میں ہے: ''اگر رخصتی کے وقت بھائی یا کسی اور نے بغیر کچھ لیے لڑکی کو رخصت کرنے سے انکار کردیا، اس صورت میں اگر شوہر نے مال دے کر رخصتی کی، تو شوہر کو وہ مال ان سے واپس لینا چاہیے، کیونکہ یہ رشوت ہے''۔ اوراسی کتاب کے باب الحظر میں ہے:"ومن السحت مایاخذه الصهرمن الختن بطيب نفسه"، کہ جو سسر داماد سے کچھ مال اس کی رضامندی سے وصول کرتا ہے، وہ کسب حرام ہے۔ پس جو شوہر لڑکی والوں سے سامان لے، تو بدرجہ اولیٰ اس شوہر سے واپس لے لینا چاہیے۔ یہ رشوت ہے، اوررشوت کا لینا اوردینا دونوں حرام ہیں''۔(مجموعة الفتاویٰ:۳۷/۲)

☆......☆......☆

جہیز طلب کرنا شرعاً حرام ہے

جب جہیز کی شرعی اعتبار سے کوئی حیثیت ہی نہیں تو بچی والوں سے جہیز طلب کرنا حرام ہے۔
قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''یٰاَ یُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْ ا لَا تَا کُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ''

(سورہ نساء: ۲۹)

''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ''۔

قرآن وسنت اور فقہ نے مال خرچ کرنا جب مرد پر واجب کیا ہے تو یہی مطالبہ بچی والوں سے کرنا حرام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ بچی کے والد پر کوئی چیز لازم نہیں کر رہے، تو معاشرے کو کس نے اس بات کا حق دیا ہے کہ جو چیز والدین پر لازم نہیں اس کا ان سے مطالبہ کیا جائے؟

بتایئے! اگر آپ نے کسی کا کچھ بھی نہ دینا ہو اور وہ تم سے لاکھوں کا مطالبہ کرے کہ تم پر لازم ہے مجھے ایک لاکھ روپیہ دو۔ بتاؤ کہ کبھی اس غلط نظریے کو مانو گے؟ تم یہی کہو گے نا، کہ بھائی! جب میں نے تیرا کوئی حق دینا ہی نہیں، تو آپ مجھ سے کس چیز کا مطالبہ کرتے ہیں؟ آخر جہیز لیتے ہوئے یا طلب کرتے ہوئے ان حقائق سے منہ کیوں موڑا جاتا ہے؟ کیا جہیز طلب کرنا اس قرآنی حکم کے خلاف نہیں؟ کیا جہیز کا مطالبہ ناحق طریقے سے مسلمان بھائی کا مال کھانا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوی اور عورت کو ضعیف بنایا، قوی کو ضعیف سے مال کا مطالبہ کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ جہیز مانگنا اور بھیک مانگنا دونوں برابر ہیں۔

اگر اس میں کچھ فرق ہے بھی، تو صرف اس قدر کہ مجبوری کی حالت میں بھیک مانگنا جائز ہے، مگر جہیز مانگنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ جہیز مانگنے والوں کو کہا جائے کہ تم کچھ بھیک مانگا کرو، تو ان کے چہرے غصہ سے لال پیلے ہو جائیں گے، مگر وہی لوگ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ جہیز طلب

کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتے ، حالانکہ بھیک مانگنا اور جہیز مانگنا برابر ہیں۔

جو لوگ بچی والوں سے جہیز کا مطالبہ کرتے ہیں ان کے دل اللہ کے خوف سے خالی ہیں اور فکر آخرت ان کے ذہنوں سے مٹ چکی ہے۔اب یہاں چند احادیث پیش کی جاتی ہیں کہ اسلامی شریعت میں کسی شخص کے لئے مانگنا کب جائز ہوسکتا ہے؟ اسلامی شریعت میں بھیک مانگنا صرف اسی وقت جائز ہے کہ جب حالتِ اضطرار ہو، شدید محتاج ہو اور بھوک سے مرجانے کا خوف ہو۔

حدیث: **لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِیْ مِرَّةٍ سَوِیٍّ.**

(مسند دارمی : ۱/۳۸٦،مشکوٰۃ: ۱/۱٦۱،کتاب الزکوٰۃ،باب من لا تحل له الصدقه)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ’’ صدقہ مانگنا کسی مالدار شخص اور تندرست وتوانا آدمی کے لئے جائز نہیں ہے‘‘۔

حدیث: **اِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِیْ مِرَّةٍ سَوِیٍّ اِلَّا لِذِیْ فَقْرٍ مدقعٍ، اَوْ غرم مُفْضَعٍ وَمَنْ سَالَ النَّا سَ لِيَثْرِیَ بِهٖ مَا لُه کَا نَ خَمُوْ شًا فِیْ وَجْهِه يَوْ مَ الْقِيَامَةِ وَرَضْفاً يَأْكُلُه مِنْ جَهَنَّمَ** الخ۔

(مشکوٰۃ: ۱/۱٦۳،کتاب الزکوٰۃ،باب من لا تحل له الصدقه)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:’’سوال کرنا کسی مالدار یا تندرست شخص کے لئے حلال نہیں ہے، سوائے اس شخص کے جو سخت محتاج یا بہت زیادہ مقروض ہو۔لیکن جو شخص اپنی دولت بڑھانے کے لیے سوال کرے گا، تو قیامت کے دن اس کا سوال اس کے چہرے پر خراش کی صورت میں نمودار ہوگا اور دوزخ کے گرم پتھر اس کو کھائیں گے، اب جس کا جی چاہے مال کو کم کرے، غریب بنے یا زیادہ مال کرلے‘‘۔(بتکلف امیر بننے کی کوشش کرے)

مولانا شہاب الدین ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر کرتے ہیں:

’’ان تمام حدیثوں سے مقصود اسلامی شریعت میں مانگنے کی مذمت اور برائی ہے۔ایک تندرست وتوانا آدمی کے لئے مانگنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے، سوائے اس کے کہ کسی کہ پاس نان شبینہ ایک وقت کا کھانا تک موجود نہ ہو۔ایک حدیث میں ایک دن

رات کے کھانے کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ یہ حدیثیں زکوٰۃ یا صدقہ کے بارے میں مروی ہیں کہ کسی شخص کو مانگنا کب جائز ہوسکتا ہے۔

اب رہا معاملہ فرمائشی جہیز کا، تو وہ ان حدیثوں کی رو سے بالکل ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ یہ مطالبہ عموماً کھاتے پیتے اور مالدار لوگ ہی کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اس طرح ناجائز طریقوں سے مال حاصل کرتے ہیں وہ مذکورہ بالا حدیثوں کے مطابق اپنے بیٹوں کے پیٹوں میں دوزخ کی آگ بھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غیض وغضب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

نیز اس سلسلے میں ایک اور حدیث سے مزید روشنی پڑتی ہے کہ مانگنا صرف تین صورتوں میں جائز ہوسکتا ہے۔ اور ان تین صورتوں کے علاوہ کسی اور وجہ سے مانگنا حرام ہے۔ اور اس میں جہیز اور جوڑے گھوڑے کا مطالبہ بھی شامل ہوسکتا ہے، چنانچہ فرمائشی جہیز مانگنے یا کسی اور چیز کا مطالبہ کرنے والوں کو یہ حدیث کان کھول کر سن لینی چاہیے، کیونکہ یہ مانگنے کی مذمت اور برائی میں آخری درجے کی چیز ہے۔

ایک صحابی قبیصہ بن محارق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بڑی رقم کا قرضدار ہو گیا تھا، تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ذرا ٹھہر جاؤ، اگر صدقہ وزکوٰۃ کا مال آجائے تو ہم تمہیں کچھ دے دیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے قبیصہؓ! دیکھو! سوال کرنا صرف تین آدمیوں کے لئے جائز ہوسکتا ہے:

ایک وہ شخص جو کسی کارِ خیر میں قرضدار ہوجائے تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے، وہ اپنے قرض کی تلافی کے بعد رک جائے۔ دوسرا وہ شخص جس کا مال کسی آفت کی بنا پر ضائع ہو گیا ہو، تو اس کے لیے مانگنا جائز ہے، یہاں تک کہ اس کی معیشت درست ہو جائے۔ تیسرا وہ شخص جو فاقہ کشی کر رہا ہو، تو اس کے لئے بھی مانگنا درست ہے، یہاں تک کہ اس کی حالت درست ہو جائے۔ تو اے قبیصہ! ان تین آدمیوں کے سوا سوال کرنا حرام ہے اور سوال کرنے والا حرام کھاتا ہے''۔

(صحیح مسلم شریف :۲/ ۷۲۲، مشکوٰۃ: ۱/ ۱٦۲، کتاب الزکوٰۃ، باب من لا تحل له الصدقه)

یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے جس میں مانگنے کے حدود وآداب بیان کر دیے گئے ہیں۔اس لحاظ سے ان قسموں کے علاوہ جو بھی مطالبہ ہوگا وہ حرام ہوگا،خواہ وہ جہیز ہو یا کچھ اور۔ یہ اسلامی شریعت کا ایک اعجاز ہے کہ اس کے وسیع اور عمومی کلیات میں ہر دور کے مسائل کا حل مل سکتا ہے، ظاہر ہے کہ قرآن اور حدیث کے نصوص میں ہر دور کے تقاضوں کے پیش نظر تمام مسائل کا احاطہ کر دیا گیا ہے۔اللہ نے انسان کو ہاتھ پیر اس لیے نہیں دیے کہ وہ کاہلوں اور اپاہجوں کی طرح زندگی گزارے، بلکہ اس لیے دیے ہیں کہ وہ زندگی کے میدان میں جدوجہد کر کے اپنے پیروں پر خود کھڑا ہو اور اپنے اہل وعیال کی خبر گیری کر کے،ان کے حقوق پوری طرح ادا کرے۔

ان ابدی تعلیمات کی روشنی میں جہیز اور جوڑے کا مطالبہ کرنے والے غور کریں کہ ان کے مطالبات کی شرعی حیثیت کیا ہے اور اس کا جواز کہاں تک نکل سکتا ہے؟ مال ومتاع دو دن کی عیاشی ہے اور اس کے مقابلے میں خدا کی ناراضگی مول لینا اور چند سکوں کے لئے دین وآخرت کا سودا کر کے ابدی زندگی کو ٹھوکر مار دینا کیا کوئی دانشمندانہ فعل ہو سکتا ہے؟ یہ جہیز کا مطالبہ کرنے والوں کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جہیز کا مطالبہ گداگری کی ایک نئی قسم ہے؛ جو اخلاقی وروحانی اقدار کی نفی پر مبنی ہے،شرعی واخلاقی اعتبار سے اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔جو لوگ جہیز کے مفاسد سے واقف ہوتے ہوئے بھی ڈھٹائی کے ساتھ اس کا مطالبہ کرتے ہیں،وہ اخلاق و شرافت اور تہذیب وتمدن سے عاری اور انسانیت کے دشمن ہیں۔اگر چہ ایسے لوگ صورتاً انسان نظر آتے ہوں،مگر وہ حقیقتاً بھیڑیے ہیں۔وہ شکل وصورت سے پڑھے لکھے اور مہذب نظر آتے ہوں،مگر وہ واقعہ کے اعتبار سے جاہل اور کندہ ناتراش ہیں، جو رحمان کے بندے کہلانے کے بجائے چڑھتے سورج کے پجاری اور روپے کے غلام ہیں۔روپیہ پیسہ ہی ان کا سب سے بڑا خدا ہے،دو دن کی عیاشی کے لیے وہ اپنے دین وایمان تک کو داؤ پر لگانے اور اپنے اخلاق وکردار کا سودا کرنے سے بھی پیچھے نہیں ہٹتے؛ بلکہ بھرے بازار میں خود کو نیلام کرنے کے لئے ہمیشہ اور ہر وقت تیار رہتے ہیں کوئی بھی زیادہ بولی بول کر انہیں خرید سکتا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ حیرت ان لوگوں پر ہوتی ہے جن کے یہاں خود اپنی لڑکیاں ہوتی ہیں؛ مگرلڑکوں کے لئے مطالبات کی ایک لمبی چوڑی فہرست ہمیشہ جیب میں پڑی رہتی ہے، گویا کہ ایسے غافل اور بدمست لوگوں کو اپنی لڑکیوں کا کوئی غم نہیں ہے، کہ اگر وہ اپنے لڑکوں کے لئے دوسروں سے مانگتے پھریں، تو کل یہی معاملہ خود ان کی اپنی لڑکیوں کے سلسلے میں بھی پیش آسکتا ہے۔مثل مشہور ہے،''جیسی کرنی ویسی بھرنی''۔

غرض اس طرح جہیز کی آگ میں پورا معاشرہ جل رہا ہےاور ہرجگہ تباہی مچی ہوئی ہے؛ جو انسانی کرتوتوں کا نتیجہ ہے، دراصل یہ خدا اور اس کے رسولﷺ کے احکام کی صریح خلاف ورزی کا نتیجہ ہے۔جہیز کا فتنہ موجودہ دور کے معاشرتی فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ ہے؛ جس کی وجہ سے آج خاندان تباہ و برباد ہورہے ہیں اور ہرطرف ہاہا کار مچی ہوئی ہے۔جو معاشرہ لالچی اور خودغرض بن جائے وہ کبھی پنپ نہیں سکتا،لہٰذا اس مہلک اور تباہ کن رسم کی بیخ کنی ضروری ہے۔یہ صورت حال نہایت ہی افسوس ناک ہے،اگر حامیانِ دین نے فوراً ہی اس کا نوٹس نہیں لیا،تو پھر آنے والا طوفان ایک بہت بڑی تباہی لائے گا اور انسانیت کا جنازہ نکل جائے گا''۔(جهیزایك غیراسلامی تصور)

فرمائشی جہیز رشوت اور حرام ہے:

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور قاسمیؒ تحریر کرتے ہیں:

''جہاں تک فرمائشی جہیز کا سوال ہے تو یہ شرعاً رشوت کے حکم میں آنے کی وجہ سے بالکل حرام ہے۔اگر کسی نے غلطی سے لے لیا ہے تو اس کا واپس کرنا شرعاً واجب ہے۔واضح رہے کہ ایک زمانے میں موجودہ دور کے برعکس لڑکی والے رخصتی کے وقت لڑکے والوں سے کچھ رقم لے کر رخصت کرتے تھے(یہ رواج آج بھی پٹھانوں اور بعض عربوں میں پایا جاتا ہے) تو اس وقت فقہاءِ امت نے اس کو رشوت قرار دے کر حرام قرار دیا تھا اور اس کو لوٹانا ضروری قرار دیا تھا۔

ظاہر ہے کہ جب لڑکے سے حق مہر کے علاوہ کچھ لینا رشوت اور حرام ہے، تو پھر لڑکی

اوراس کے اعزہ سے بھی لینااسی طرح رشوت اورحرام ہے۔عقلی اعتبار سے دیکھا جائے تو فریقین میں سے اگر کوئی اس قسم کی رقم لینے کا زیادہ مستحق ہوتا،تو وہ لڑکی کا باپ ہوسکتا تھا۔کیونکہ اس نے کم ازکم پندرہ بیس سال تک اپنی لڑکی کی پرورش کی ہے اوراس پراپنی رقم خرچ کرکے اسے اس قابل بنایا ہے کہ کہ وہ کسی دوسرے کے گھر کی زینت بن سکے،مگراس کے باوجود جب وہ اپنے داماد سے رقم نہیں لے سکتا تو پھر شوہر کو قطعاً استحقاق ہی نہیں ہے۔

اوراس لحاظ سے فرمائشی جہیز یارقم کا مطالبہ کرنا ایک اخلاقی اور سماجی جرم ہی نہیں؛ بلکہ شرعی اعتبار سے کبیرہ گناہ ہے۔جس کی وجہ سے آج ہزاروں لڑکیوں کی جان کو خطرہ پیدا ہوگیا ہے اور کتنی بچیاں اس مذموم اورخوفناک رواج کی بدولت بے بیاہی اپنے گھروں میں بیٹھی کوس رہی ہیں،مگر ظالم سماج ان مظلوم لڑکیوں کی آہوں سے بے نیاز ہوکر اپنی عیش کوشی اور بدمستی سے باز نہیں آرہا''۔ (شاھراہ سنت:۲۰۱)

کل ہی مجھے میرے ایک عزیز دوست نے کہا کہ میں نے اپنی بیٹی کی نسبت فلاں جگہ طے کی ہے۔نسبت کی پختگی کے ساتھ ہی داماد صاحب کی طرف سے پیغام موصول ہوا کہ''سلامی میں موٹر سائیکل دینا ہوگا''۔(انا للہ وانا الیہ راجعون)

لڑکے والوں سے چندسوالات:

آپ جو اپنی جیب میں مطالبات اور سامان کی ایک لمبی چوڑی فہرست لیے اپنے بیٹے کے لیے رشتہ تلاش کررہے ہیں۔اگر ماحول یکسر تبدیل ہوجائے اور جہیز کی بجائے لڑکے والوں کی طرف سے ہی انتظام کرنے کا رواج ہوجائے،اورلڑکی والے آپ کی طرح مطالبات کی ایک لمبی فہرست آپ کے نرم ونازک ہاتھوں میں تھمادیں،تو آپ پر کیا گزرے گی؟ آپ نے کبھی سوچا کہ پیش کرنے کوتو ہم نے فہرست پیش کردی؛مگر وہ اتنا سارا انتظام کیسے کریں گے؟اوران کو اس کیلئے کتنے اذیت ناک اور پریشان کن مراحل سے گزرنا پڑے گا؟

حق مہر شریعت کا ایک اہم حکم ہے،اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی مرتبہ اس کا تذکرہ فرمایا۔حق مہر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد فریضہ اورآپ ﷺ کی خصوصی تاکید ہے۔آپ لڑکی والوں

سے تین لاکھ کا جہیز بخوشی قبول کر رہے ہیں؛ جس کی شریعت میں گنجائش بھی نہیں، مگر صرف ایک لاکھ کا حق مہر لڑکی کو دینے سے آپ کو شرم آتی ہے؟ جیسے کیسے انہوں نے تین لاکھ کا جہیز بنا ڈالا، آپ ایک لاکھ حق مہر دینے سے کیوں پریشان ہوتے ہیں؟

آپ نے جہیز کی فہرست بنانے سے قبل اپنے محبوب ﷺ کی مقدس شریعت کا حکم کسی عالم دین یا مفتی صاحب سے پوچھا کہ جہیز کا مطالبہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے کبھی سوچا کہ قیامت والے دن اگر حضور اقدس ﷺ نے پوچھ لیا کہ لڑکی والوں پر میری شریعت نے کچھ فرض نہ کیا تھا، آپ نے خلافِ شریعت، خلافِ عقل ان سے مطالبات کر کے سامان دنیا کیوں جمع کیا؟ طالبانِ جہیز کو چاہیے کہ بار بار ان سوالات کو پڑھ عبرت حاصل کریں۔

لڑکے والوں سے ایک عاجزانہ گزارش:

ماقبل کی مباحث سے آپ پر جہیز کا ایک غیر شرعی رسم ہونا واضح ہوا، امید ہے کہ آپ ان گزارشات کو مدنظر رکھیں گے، اور نہ صرف جہیز کا مطالبہ نہیں کریں گے؛ بلکہ رشتہ اس شرط پر منظور کریں گے کہ ہم جہیز نہیں لیں گے، اور گھریلو ضرورت کا سادگی کے ساتھ ہم خود ہی انتظام کریں گے۔لڑکی اگر اپنے ساتھ جہیز نہ لائے تو آپ کو شرعاً اس بات کا بالکل حق نہیں ہے کہ آپ اسے طعنے دیں اور ذلیل و رسوا کریں، یہ تو آپ کی ذمہ داری ہے۔ہاں اگر شرعاً لڑکی پر یہ سامان لانا ضروری ہوتا، اور وہ نہ لاتی، تب وہ مستحق ملامت ہوتی۔جب شریعت نے لازم آپ پر کیا ہے، تو انتظام نہ کرنے پر ملامت آپ کو ہونی چاہیے نہ کہ لڑکی کو۔جب تک آپ ہمت سے کام لے کر جہیز نہ لینے کا عزم نہیں کریں گے تب تک اس جاہلانہ، ہندوانہ رسم کا خاتمہ مشکل ہے۔

لڑکی والے تو مجبور ہوتے ہیں وہ جہیز نہ دیں تو آپ کا پورا گھرانہ ان کی بیٹی کو طعنے دے دے کر زندہ درگور ہو جانے اور خودکشی پر مجبور کر دیتا ہے۔وہ اپنی بچی کو آپ کے طعنوں سے بچانے کے لیے دن رات محنت کر کے، قرض اٹھا کر، رشوت لے کر، ڈاکہ ڈال کر، بھیک مانگ کر، جہیز دیتے ہیں۔اگر آپ ہمت کر کے جہیز نہ لینے کا اعلان کر دیں تو بیٹی والے بھی سکھ کا سانس لیں گے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی آپ کے گھر میں بارش کی طرح برسے گی۔

رسم ورواج کے مطابق دیے ہوئے سامان کا شرعی حکم

آپ نے دیکھا کہ ہم الحمدللہ! اپنے اسلاف واکابر کے ہی ارشادات کی روشنی میں گزارشات آپ کے سامنے بیان کررہے ہیں۔گزشتہ صفحات میں ہم نے جیدا کابرؒ بالخصوص حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات کی روشنی میں ثابت کیا کہ جہیزاب نہ ہدیہ رہا، نہ صلہ رحمی، بلکہ ناموری، شہرت اوررسم کی پابندی کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔اب آیئے آخر میں ذرادل تھام کے یہ بھی پڑھ لیتے ہیں کہ رسم ورواج کے تحت دیے ہوئے سامان کا شرعی حکم کیا ہے؟اور پھرزمانے کی پرواہ کیے بغیراس پرعمل بھی کرڈالتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے میں ارشادفرماتے ہیں:

''حضوراکرمﷺ نے ارشادفرمایا:''خبردارہوجاؤ!ظلم نہ کرو،خبردارکسی انسان کا مال اس کی دلی رضامرضی کے بغیرحلال نہیں''۔بعض لوگوں کواس میں یہ غلطی ہوتی ہے کہ کہتے ہیں کہ ہماری کیا وجاہت اور دباؤ ہے جوشخص دے گا خوشی سے دے گا، حالانکہ مشاہدہ اس کی تکذیب کرتا ہے۔اس کا حال دینے والے سے معلوم ہوسکتا ہے، کوئی تیسرا آدمی جواس سے بے تکلف ہواس سے قسم دے کر پوچھے کہ تو نے خوشی سے دیا ہے یانا خوشی سے؟ بہت آسانی سے اس کا فیصلہ ہوجائے گا،اوراسی سے حکم معلوم ہو جائے گا ان رقوم: نقدی رقم یا دیے ہوئے سامان کا؛ جولڑکی والے شادی کے موقع پر لڑکے والوں سے یالڑکے والےلڑکی والوں سے فرمائش کرکے لیتے ہیں۔

وہ لوگ خواہ رسم کی پابندی سے مجمع کے شرم سے یامحرک کے لحاظ سے دیتے ہیں، بعض لوگ بلاتحریک بے مانگے خوددیتے ہیں،لیکن دینے کی بنا(وجہ)وہی رسم ہے، کہ جانتے ہیں کہ نہ دینے سے یاتو مانگا جائے گا یا بدنام کیا جائے گا۔سواس قسم کی رقمیں اورسامان شرعاً حلال نہیں اوراس طرح سے مانگنا اور لینا درست نہیں ہوتا اور یہ رقوم اورسامان سب واجب الرّد ہیں''۔ (اسلامی شادی: ١٦٤)

جن جہیزی پلنگوں پرآپ مزے سے نیند سے لطف اندوز ہوتے ہیں،جن خوبصورت صوفوں پرآپ فروکش ہوتے ہیں،وہ سب سامان تو واجب الرّد ہیں،یعنی آپ پرواجب ہے کہ وہ سامان

آپ اپنے سسرال بھیج دیں۔ جن لوگوں کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی ہے، وہ تو ابھی سے عزم کریں کہ جب شرعاً یہ سامان واجب الرّد ہے، تو ہم لیں ہی نہیں۔ اور جو لے چکے، وہ بھی سسرال والوں کو یہ شرعی مسئلہ سمجھا کر اسے واپس کر دیں۔

جہیز دینے والوں کا علاج:

اس سلسلہ میں حضرت مفتی رشید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا طرز عمل ہمارے لیے مشعل راہ ہے:

''حضرت اقدس مفتی صاحب کے خاص متعلقین میں سے ایک مولوی صاحب بہت مسکین اور بالکل نادار ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اس سعادت سے نوازا ہے کہ چوبیس گھنٹے ''ضرب مومن'' اور ''دارالافتاء والارشاد'' میں دوسری ہر قسم کی خدمت میں مشغول رہتے ہیں۔ کسی نے انہیں اپنی لڑکی دینے کی پیشکش کی، حضرت اقدس نے ان سے پوچھ کر اجازت دے دی۔ سسرال والوں نے کچھ جہیز کی باتیں چھیڑیں تو حضرت اقدس نے اس نہایت قبیح رسم کو ختم کرنے کیلئے انہیں جہیز دینے سے منع فرما دیا۔ لیکن دارالافتاء سے تعلق رکھنے والے بعض دوسرے حضرات نے اس بناء پر کہ دولہا کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے بالکل نادار ہے، لڑکی کے والد کو جہیز دینے کی اجازت دے دی۔ حضرت جی کو اس کا علم ہوا تو اس کے بارے میں درج ذیل تحریر لکھ کر ان حضرات کو دی:

> ''جہیز قبول کرنے کا مشورہ دینے والوں کو یہ خیال نہ آیا کہ دولہا کا ابا (یعنی خود حضرت) اس کے سسرال سے ہزاروں درجہ زیادہ مالدار ہے، ایسی حالت میں جہیز قبول کرنا خلاف شرع وعقل ہونے کے علاوہ اس میں ابا کی سخت توہین بھی ہے۔ اب بھی اگر سسرال والے ابا کی عزت کو اپنی عزت سے زیادہ سمجھتے ہیں تو جہیز پر خرچ کی ہوئی رقم ابا سے لے کر جہاد میں لگا دیں۔ اس کا اصل علاج تو یہ تھا کہ سسرال والوں سے کہا جائے کہ جہیز کا سب سامان اٹھا کر گھر لے جائیں، مگر ابا بہت مغلوب المروت ہے، اس لیے یہ رعایت کر دی۔ (انوار الرشید)

فصل ثانی:

بارات کا شرعی حکم

نکاح کی احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ رسالت میں دلہن کو لانے کے لیے عصرِ حاضر کی طرح سینکڑوں لوگوں پر مشتمل بارات کا قصہ ہی نہ تھا، یا تو خاندن کے چند لوگوں کی موجودگی میں نکاح کے بعد دلہا خود ہی اپنی دلہن کو ساتھ لے جاتا، یا پھر دو تین عورتوں کے ذمہ لگا دیا جاتا کہ وہ دلہن کو دلہا کے گھر پہنچا دیں۔ اس کے لیے نہ مستقل لوگوں کو جمع کیا جاتا تھا اور نہ سواریوں کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی۔

امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے "البناء بالنهار بغير مركب و لا نيران"، یعنی "دن کے وقت رخصتی کرنا، اس کے لیے سواری اور روشنی کی ضرورت نہیں"۔ اس عنوان کے تحت امام بخاریؒ یہ حدیث لائے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: "آنحضرت ﷺ نے جب میرے ساتھ شادی کی تو میری والدہ میرے پاس آئیں اور مجھے دن کو رسول اللہ ﷺ کے گھر میں لے گئیں، رسول اللہ ﷺ چاشت کے وقت میرے پاس تشریف لائے"۔ (بخاری: ٤١/٧، کتاب النكاح، باب البناء بالنهار بغير مركب و لا نيران)

امام بخاریؒ یہ حدیث لا کر اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ رخصتی کے لیے بارات کی ضرورت ہے نہ سواری کی اور نہ روشنی کی۔

حضرت عائشہؓ اپنی رخصتی کا احوال یوں بیان کرتی ہیں:

"نبی کریم ﷺ سے جب میرا نکاح ہوا تو میری عمر چھ سال تھی۔ پھر ہم مدینہ آ گئے اور بنی حارث کے ہاں قیام کیا۔ یہاں آ کر آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے مجھے بخار ہو گیا اور اس کی وجہ سے میرے بال گرنے لگے۔ پھر جب صحت مند ہونے کے بعد کندھوں تک بال خوب لمبے ہو گئے، تو ایک دن میری والدہ ام رومانؓ آئیں، میں اس وقت

جھولا جھول رہی تھی۔

میرے پاس چند سہیلیاں بھی تھیں۔ ماں نے مجھے آواز دی تو میں ان کے پاس چلی گئی۔ مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ ماں کا کیا پروگرام ہے۔ ماں نے میرا ہاتھ پکڑا اور گھر کے دروازے پر کھڑا کر دیا۔ (جھولا جھولنے کی وجہ سے) میرا سانس پھولا ہوا تھا۔ جب سانس نارمل ہوا تو ماں نے تھوڑا سا پانی لیا، اسے میرے چہرے اور سر پر پھیرا۔ پھر مجھے گھر کے اندر داخل کر دیا۔

وہاں انصار کی چند عورتیں موجود تھیں، انہوں نے میری آرائش کی۔ اس کے بعد دن چڑھے اللہ کے رسول ﷺ تشریف لے آئے۔ میری ماں نے مجھے آپ کے سپرد کر دیا''۔ (بخاری: ۱۳۵/۳ کتاب، مناقب الانصار، باب تزویج عائشه)

یہ حدیث ہمارے یہاں کی تمام رسوم کے رد کے لیے کافی ہے۔ ہمارے ہاں جب کسی لڑکی کی شادی ہونے لگتی ہے، تو شادی کی تاریخ مقرر کرنے کے لیے بہت سارے رشتے دار جمع ہوتے ہیں، جس سے لڑکی کو پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں دن میری رخصتی ہے۔ معلوم ہوا کہ جب سیدہ عائشہؓ کی شادی ہونے لگی، تو دن مقرر کرنے کے نام سے ان کے گھر کوئی تقریب نہ ہوئی تھی، ورنہ وہ اس دن یوں بے فکر اپنی سہیلیوں کے ساتھ نہ کھیل رہی ہوتیں۔

ہمارے ہاں دن مقرر کرنے کے لیے تقریب نہ بھی ہو، مگر شادی کے دن قریب آتے ہی گھر جہیز کے سامان سے بھر جاتا ہے۔ کبھی فرنیچر آ رہا ہے، کبھی پیٹی آ رہی ہے تو کبھی کپڑے بستر وغیرہ، جس سے لڑکی کو معلوم ہو جاتا ہے کہ میرے جانے کے دن قریب آ گئے ہیں، لہٰذا وہ محتاط ہو جاتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہؓ کی رخصتی کے موقع پر ان کے گھر میں سامان کی کوئی ریل پیل نہ تھی، ورنہ وہ اتنی بے فکر نہ ہوتیں۔

ہندوپاک میں رخصتی سے پانچ چھ دن پہلے ''مایوں'' کے نام سے ایک تقریب ہوتی ہے۔ لڑکے والے کی طرف سے عورتوں کی ایک جماعت دلہن کے گھر آ کر تیل وغیرہ لگا جاتی ہے اور کچھ کھانے پینے کا سامان بھی دے جاتی ہے۔ دلہن چھ دن مایوں بیٹھتی ہے، اس دوران وہ گھر والوں سے بھی میل جول نہیں رکھتی اور خاموش خاموش رہتی ہے۔ یہ حدیث اس رسم کو بھی رد کر رہی ہے، معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہؓ مایوں نہیں بیٹھی تھیں، ورنہ وہ یوں اپنی سہیلیوں کے ساتھ

حسبِ معمول جھولا جھولنے میں مصروف نہ ہوتیں۔

یہ حدیث رسمِ بارات کی بھی تردید کررہی ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بغیر کسی بارات کے اکیلے سیدنا صدیقِ اکبرؓ کے گھر تشریف لائے،اور یہیں آپ کی سیدہ عائشہؓ سے بناء(یعنی ابتدائی ملاقات) ہوئی۔حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ نے بھی لکھاہے'':حضرت عائشہ کی بناء(شوہر سے ابتدائی ملاقات) توان ہی (یعنی صدیق اکبر) کے گھر میں ہوئی تھی''۔

امام بخاریؒ نے بخاری میں ایک باب لکھاہے جس کا عنوان ہے''**الدعاء للنساء اللاتی یهدین العروس**''یعنی''جوعورتیں دلہن کودلہا کے گھرلے آئیں ،ان کوکیسے دعادی جائے''۔اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث نقل کی ہے:

''جب میری رسول اللہ ﷺ سے شادی ہوئی تو میری والدہ مجھے آنحضرت ﷺ کے گھر میں لے کرآئیں۔وہاں انصار کی کئی عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں،انہوں نے مجھے اور میری والدہ کو یوں دعادی: خیراور برکت کے اچھے نصیبے پر''۔

(بخاری:٤١/٧،کتاب النکاح)

اس حدیث کے تحت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم نے فرمایا:

''اس باب میں ان عورتوں کے لیے دعا کا ذکر ہے جودلہن کی رہنمائی کرتی ہیں،اسے سنوارتی ہیں اوردلہا کے لیے پیش کرتی ہیں،اوردلہن کے لیے دعااور ہدیہ کا بیان ہے۔اس حدیث میں حضرت عائشہؓ کی شادی کا ذکر ہے۔ان کی والدہ ام رومانؓ نے انہیں حضوراکرم ﷺ کے گھر دلہن بناکرداخل کیا،تو وہاں موجودانصاری عورتوں نے ام رومانؓ اوردلہن کے استقبال میں یہ دعائیہ جملے کہے''خیروبرکت کے اچھے نصیبے پر''۔

(کشف الباری:٢٧٧،کتاب النکاح)

امام الانبیاءحضرت محمدﷺ کی دلہن بغیرکسی بارات کےآپ کے مقدس ومطہرگھر میں تشریف لائیں۔آج کے مسلمانوں کے لیےایک عجیب خبرکہ حضرت عائشہؓ کوخودان کی والدہ محترمہ دلہا کے گھر چھوڑ گئیں۔آج کوئی مسلمان ایسا کرکے تو دیکھے،خودمسلمان اس کا جینادوبھرکردیں گے۔

اسلام کتنا آسان اور پیارا دین ہے؟۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ پر شادی کی بشاشت محسوس کی، تو پوچھا: ''عبدالرحمٰن؟! یہ کیا بات ہے؟'' حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جواب دیا: ''میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کتنے مہر پر'' عبدالرحمٰنؓ نے جواب دیا: ''کھجور کی ایک گٹھلی کے برابر سونے پر''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ولیمہ بھی کرو، اگر چہ ایک ہی بکری ہو''۔

(بخاری: ٤٤/٧، کتاب النکاح، سنن نسائی: ٧٩/٢، باب التزویج علیٰ نواة)

دورِ رسالت میں آسان شادیوں کی یہ ایک جھلک ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن مدینہ منورہ میں ہی رہتے تھے، آپ کی شادی میں منگنی، مایوں، جہیز اور بارات نامی کوئی چیز نہ تھی۔ اگر بارات ہوتی تو آپ ﷺ اس شادی سے بے خبر نہ رہتے۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ حضراتِ صحابہؓ کے ہاں نکاح شادی کوئی ایسا مسئلہ نہ تھا جس کے لیے لوگوں کے اجتماع کو لازمی قرار دیا جائے۔ کیونکہ یہ آپ ﷺ کی تربیت ہی کا اثر تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں:

''ایک غزوہ سے ہم واپس آ رہے تھے، نبی کریم ﷺ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ مَیں اپنے ایک سست اونٹ پر جلدی جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتنے میں پیچھے سے ایک سوار مجھ سے آ ملے اور میرے اونٹ کو اپنا نیزہ چبھو دیا۔ میرا اونٹ ایسے چلنے لگا جیسے اچھے اونٹ کو چلتے ہوئے تم دیکھتے ہو۔

مَیں نے جو مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ فرمانے لگے: ''جابر! تمہیں اتنی جلدی کیوں ہے؟'' میں نے کہا: 'میری نئی شادی ہوئی ہے' (اس لیے جلدی گھر پہنچنا چاہتا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا: ''کنواری سے یا بیوہ سے؟'' میں نے کہا: ''بیوہ سے''۔ (بخاری: ٧٧/٧، کتاب النکاح۔ سنن دارمی: ١٤٦/٢)

حضرت جابرؓ بھی مدینہ میں ہی رہتے تھے، ان کی شادی کا بھی آپ ﷺ کو پتہ نہ چل سکا، کیونکہ ان کی شادی میں برادری کا اجتماع اور بارات نہ تھی۔ اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک محنت ہی کا اثر تھا۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم حضرت فاطمہؓ کو تیار کر کے حضرت علیؓ کے پاس بھیجیں۔ ہم کمرہ میں گئیں اور بطحاء کے اطراف کی نرم مٹی اس میں بچھائی، پھر دو تکیوں میں کھجور کی چھال بھری۔ پھر ہم نے لوگوں کو چھوہارے، اور کشمش کھلائی، شیریں پانی پلایا اور ہم نے فاطمہؓ کی شادی سے اچھی شادی نہیں دیکھی''۔

(سنن ابن ماجہ:١٣٩)

خاتونِ جنت سیدہ فاطمہؓ بغیر بارات کے رخصت ہوئیں، بعض روایات میں ہے کہ آپ کو حضور ﷺ کی باندی حضرت ام ایمنؓ حضرت علیؓ کے گھر چھوڑ آئیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''صاحبو! ان رسموں نے مسلمانوں کو تباہ کر ڈالا ہے، اسی لیے میں نے منگنی کا نام قیامتِ صغریٰ اور شادی بارات کا نام قیامت کبریٰ رکھا ہے۔ اب تو بارات بھی شادی کا رکن اعظم سمجھا جاتا ہے، اس کے لئے دولہا اور دولہن والے بڑے اصرار اور تکرار کرتے ہیں۔ اور اس سے غرض ناموری اور تفاخر ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی بغیر بارات کے ہوئی، بارات کے تکلف کی ضرورت نہیں، حضور ﷺ نے خود نوشہ ہونے کی ضرورت نہیں سمجھی پھر بارات کا ہونا کیوں ضروری سمجھا جائے؟''

(اسلامی شادی: ١٦٦)

بارات کے متعلق حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات:

بارات غیروں کی ایجاد اور ان کی رسم ہے:

''اصل میں یہ بارات ہندوؤں کی ایجاد ہے، کہ پہلے زمانہ میں امن نہ تھا، اکثر راہزنوں اور ڈاکوؤں سے دوچار ہونا پڑتا تھا، اس لیے دلہا دلہن اور اسباب زیور وغیرہ کی حفاظت کی مصلحت سے بارات لے جانے کی رسم ایجاد ہوئی۔ اسی جہ سے فی گھر ایک آدمی لیا جاتا تھا، کہ اتفاق سے کوئی حادثہ پیش آئے تو ایک گھر میں ایک ہی بیوہ ہو۔ اور اب تو امن کا زمانہ ہے، اب اس جماعت کی کیا ضرورت ہے؟ اب

حفاظت وغیرہ تو کچھ مقصود نہیں، صرف رسم کا پورا کرنا اور نام آوری مدنظر ہوتی ہے۔
اس بارات کے لیے کبھی دلہا والے اور کبھی دلہن والے بڑے بڑے اصرار وتکرار کرتے ہیں، اور اس سے مقصود صرف ناموری اور تفاخر ہے۔ اکثر اس میں ایسا بھی کرتے ہیں کہ بلائے پچاس اور جا پہنچے سو، اول تو بلا بلائے کسی کے گھر جانا حرام ہے، پھر دوسرے شخص کی اس میں بے آبروئی بھی ہوجاتی ہے، کسی کو رسوا کرنا، یہ دوسرا گناہ ہوا۔
(بعض لوگ اپنے کنبے کے تمام حضرات سمیت شرکت کرتے ہیں، اس سے بعض اوقات کھانا بھی پورا نہیں ہوتا، جس سے صاحبِ دعوت کی سُبکی ہوتی ہے) یہ خرابیاں ہیں بارات میں، جن کی وجہ سے بارات کو منع کیا جاتا ہے۔ اور مَیں جو پہلے باراتوں میں جایا کرتا تھا اس وقت تک میری سمجھ میں خرابیاں نہ آئی تھیں، اب میں ان رسموں کو بالکل حرام سمجھتا ہوں۔ خدا نے میرے قلم سے بعض باتوں کی خرابیاں ظاہر کرادیں جو دوسروں نے ظاہر نہیں کیں، اس لیے لوگ مجھے ''سخت'' مشہور کرنے لگے۔
جو رسوم شریعت کے خلاف اکثر شادیوں میں ہوا کرتے ہیں ان ہی سے وہ مجمع معصیت (گناہ) کا مجمع ہوجاتا ہے، وہاں نہ بیٹھے۔ اور رسوم تو الگ ہیں آج کل خود بارات ہی مجمع معصیت ہے۔ اگر کوئی خرابی نہ ہوتو یہ خرابی ضرور ہی باراتوں میں ہوجاتی ہے کہ عموماً باراتی مقدار دعوت سے زائد ہوجاتے ہیں، جس کی وجہ سے بے چارے میزبان کو سخت دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کہیں قرض لیتا ہے کہیں اور کچھ فکر کرتا ہے۔

مالداروں کے لیے بھی بارات وغیرہ رسمیں درست نہیں:

''بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس کو گنجائش ہو وہ کرے، جس کو نہ ہو وہ نہ کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو گنجائش والوں کو بھی گناہ کرنا جائز نہیں۔ جب ان رسوم (بارات، جہیز وغیرہ) کا معصیت (گناہ) ہونا ثابت ہوگیا پھر گنجائش سے کب اجازت ہوسکتی ہے؟
دوسرے یہ کہ جب گنجائش والے کریں گے تو ان کی برادری کے غریب آدمی بھی اپنی

عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے ضرور کریں گے۔اس لیے ضروری امر یہی ہے کہ سب ترک کردیں۔ بارات کا مجموعہ معصیت ہے''۔

(اسلامی شادی:۱۳۳تا۱۳۶)

فائدہ: بارات کی دیگر خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ بھی ہے کہ بارات میں مردوں،عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، جہاں بدنظری کا شبہ نہیں بلکہ عین حقیقت ہے۔ یہ اس شرعی اصول کے قطعاً خلاف ہے کہ گناہوں کا سبب اور ذریعہ بننا بھی جائز نہیں ہے۔ ہمارے لیے تو بس یہی بات کافی ہے کہ مدنی معاشرہ میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔شادی بیاہ کے موقعوں پر مخلوط اجتماع کی وجہ سے اکثر ناقابل بیان واقعات بھی سرزد ہوتے ہیں۔شادی مالک محض ناک اونچی رکھنے کے لیے قرض اٹھا کر بارات کی بسوں کا انتظام کرتے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی رائے گرامی:

حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنی اولاد کی شادیاں بغیر بارات کے انجام دیں۔ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا:

''ہم لوگوں (علماء) کو بارات وغیرہ کے قصہ سے اور زیادہ احتیاط برتنی چاہیے، کہ بہت ہی حد سے زیادہ اسراف ہونے لگا ہے''۔(آپ بیتی:۲۸۶/۱)

مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب (جامعۃ الرّشید کراچی) کی رائے گرامی:

''ہمارے یہاں بارات میں زیادہ سے زیادہ افراد کی شرکت کو باعثِ فخر وعزت سمجھا جاتا ہے۔ظلم بالائے ظلم یہ ہے کہ وہ سب لوگ لڑکی والوں کے ہاں جا کر کھانا کھاتے ہیں؛ جسے بارات کا کھانا کہا جاتا ہے۔سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ شریعت میں بارات ہے ہی نہیں کہ دلہا اپنے ساتھ بہت سارے لوگوں کو لے جائے، پھر وہ لڑکی کو رخصت کرا کے لے آئیں۔

شریعت میں تو اتنا بھی ہے کہ دلہن کا والد خود پہنچا کر آ جائے، یا دلہا اپنے محرم رشتہ داروں: والدین اور بہنوں کے ساتھ جا کر رخصت کرا کے لے آئیں۔ یہ دوسو، تین سو افراد آتے ہیں، پھر لڑکی کے خاندان والوں کو بھی بلایا جاتا ہے،اس موقع پر،تو یہ

سب افرادلڑکی والوں کے ہاں کھانا کھاتے ہیں،اس غریب آدمی کا گھر اجڑ رہاہے،گھر سے اس کی لختِ جگر،نورِنظر جارہی ہے،اس بچی کے جانے کے بعد پورے گھر پر اداسی چھاجائے گی،تو اس کے ہاں کیوں کھانا کھا رہے ہیں؟
اور اگر سچ پوچھا جائے تو یہ ظلم کا کھانا ہے،سارے کے سارے معاشرتی رسوم ورواج سے مجبور ہوکر، والدین اپنا پیٹ کاٹ کر پیسہ جمع کرتے ہیں، مہنگے ترین کھانے بناتے ہیں۔لوگ یہ کھانا کھانے کے بعد دانتوں میں خلال کرتے ہوئے کہتے ہیں:''گوشت صحیح گلا ہوانہیں تھا،مرچ زیادہ تھا،مصالحہ کم تھا''۔اس غریب کے چار لاکھ لگ گئے اوران کے منہ کا چسکہ پورانہیں ہورہا۔کسی کے خون پسینے کی کمائی ہے وہ۔بلا شک وشبہ ظلم کا کھانا ہے۔اس کے خلاف آواز اٹھانی چاہیئے''۔

(نیٹ پرموجود"وصالِ اردو"کے پروگرام"میراسوال"سے اقتباس)

مولانا قاضی شفیق الرحمٰن صاحب کی رائے:

''دلہن کولانے کے لیے سینکڑوں لوگوں کواکٹھا کرکے لے جانا شریعت کا مزاج نہیں ہے۔جنابِ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہؓ کوایک عورت کے ہمراہ حضرت علیؓ کے گھر روانہ فرمایا۔جب خاتونِ جنت ایک عورت کے ہمراہ رخصت ہوکر جاسکتی ہیں، تو ہم لوگوں کا اتنا اہتمام اور تکلفات کرنا غلط ہے۔جنابِ رسول اللہ ﷺ اورسلف صالحین کے دورمیں بارات نام کی کوئی چیز متعارف نہ تھی۔دلہا کے گھر کے ضروری افراد یا دلہن کے گھر سے ایک دوافرد جاکر دلہن کوچھوڑآتے تھے۔صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کوان کی والدہ، جناب رسول اللہ ﷺ کے گھر چھوڑآئی تھیں۔بارات غیروں کی رسم ہے۔اس سےلڑکےاورلڑکی والوں پراضافی بوجھ پڑتا ہے''۔

(نیٹ پرموجود"وصالِ اردو"کے پروگرام"میراسوال"سے اقتباس)

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی کا فتویٰ:

''لڑکی کی رخصتی کے لیے باقاعدہ طور پر بارات لے جانا نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔رسول اللہ ﷺ اورصحابہ کرامؓ کارخصتی کے بارے میں عام معمول یہ تھا، کہ لڑکی کا

باپ یا ولی لڑکی کو خود یا کسی محرم کے ذریعے دلہا کے گھر پہنچا دیتا؛ جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ کی رخصتی کے متعلق روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

لہٰذا بہتر یہ ہے کہ لڑکی والے خود دلہن کو دلہا کے گھر پہنچائیں۔ اگر وہ پہنچانے کے لیے تیار نہ ہوں، تو پھر دلہا خود یا کسی ایسے شخص کو، جو دلہن کا محرم ہو، دلہن کو لانے کے لیے بھیج دے۔ مروجہ طریقوں سے بارات لے جانے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ البتہ اگر خلافِ شرع امور سے بچتے ہوئے لڑکے کے خاندان کے صرف چند افراد بارات کی صورت میں جائیں، اور لڑکی کو رخصت کر کے لے آئیں، تو اس کی گنجائش ہے''۔

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف صاحب (مسلک اہلحدیث) کی رائے:

''بارات کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے، یہ سارا تصور غیر مسلموں سے اختلاط اور میل جول کا نتیجہ ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ گھر کے ضروری افراد خاموشی کے ساتھ جائیں اور بالکل سادگی کے ساتھ نکاح پڑھ کے لڑکی کو اپنے ہمراہ لے آئیں۔ صرف نکاح کا اعلان ضروری ہے، اور وہ طرفین (دلہا دلہن) کے گھر والوں کے سامنے ہو جاتا ہے۔ بہرحال بارات کے لیے ساری برادری احباب اور تعلق داروں کو اکٹھا کرنا اور لڑکی والوں کے گھر لاؤ لشکر کے ساتھ پہنچنا غیر ضروری اور فضول رسم ہے۔ اس کو ختم کرنے کی شدید ضرورت ہے''۔

(مسنون نکاح اور شادی بیاہ کی رسومات: ۵۱)

مولانا ثاقب رضا صاحب (بریلوی مسلک) کی رائے:

''نکاح کی تقریب ہی دیکھ لیجئے کہ پہلے ہم اتنا مجمع کثیر لے کر بیٹی والوں کے گھر حملہ کرنے نکلتے ہیں، اور دو بجے کا ٹائم دیا، چار بجے گھر سے نکلے، وعدہ خلافی یہودیوں کا طریقہ ہے۔ اور پھر ہمارا لباس اور ہماری بے پردگیاں، یہ نصاریٰ کا رنگ ہے۔ پھر بھنگڑے ڈالنے لگے، ہم نے کہا: میاں! یہاں اسلام والی کیا چیز ہے؟ کہا: تھوڑی دیر ٹھہرو، ابھی مولوی صاحب آئیں گے، چند لمحوں کے لیے

یہ دھوم دھڑ کا روک لیا جائے گا، اوران کو سٹیج پہ بلایا جائے گا، ایک رسم ادا ہوگی، وہ حصہ اسلام کا ہے۔ مولوی صاحب نکلیں گے، پھر وہی کچھ شروع ہو جائے گا۔

میرے پاس ایک خاتون آئی، اور کہنے لگی کہ پچاس ہزار روپے قرض لیا تھا سود پر۔ اب ڈیڑھ لاکھ روپے ہو گیا ہے، اب ادائیگی کا وقت آ گیا ہے۔ ساتھ اس کا بچہ تھا، ٹانگوں سے معذور تھا، وہ منظر مجھے نہیں بھولتا۔ کہنے لگی کہ آپ کسی کو بھیجیں، وہ لوگ ہمارے دروازے پر کھڑے ہیں۔ میں نے کہا کہ کتنے سفاک لوگ ہیں؟ آپ نے کسی مجبوری کے تحت لیا ہوگا؟ کہنے لگی: میں نے بیٹی کی شادی کرنی تھی، لوگوں کے گھروں کے برتن مانجھ کر جہیز کی چیزیں بنالی تھیں، لیکن دلہاوالے کہنے لگے کہ ہم بارات میں سو آدمی لے کر آئیں گے۔

اس وجہ سے مجھے یہ قرض اٹھانا پڑا، باقی تیاری میں نے کر لی تھی۔ میں نے کہا کہ آپ اپنے رشتے داروں میں شادی کرتیں ؛جن کو آپ کا احساس ہوتا؟ کہنے لگی کہ جو بارات لے کر آیا، وہ میرا سگا بھائی تھا۔ سگا بھائی اپنی اس بہن کے گھر اپنے بیٹے کو بیاہنے آ رہا ہے، جو لوگوں کے برتن مانجھ کر گزر بسر کرتی ہے؛ لیکن وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے سَو، کا لشکر لے کر حملہ آور ہونا ہے۔ اسے نہ شرم آئی نہ حیاء آیا، اوراس نے لوگوں کے برتن مانجھ کر جہیز بنایا، پھر سود پر رقم اٹھا کر سو کے لشکر کی دعوت کی، اور وہ سمجھتا ہوگا کہ میں نے اپنی عزت بنالی ہے۔ اومیاں! تو تین بندے لے کر آ جاتا، اور کہتا کہ ہم کھانا کھا کے آئیں گے، آپ کے گھر سے چائے پیئیں گے، آپ کا رب آپ پر اتنا راضی ہوتا کہ تجھے اتنا نوازتا کہ کسی چیز کی کمی باقی نہ رہتی۔ لیکن غریب بھی غریب پر ظلم کر رہا ہے، اور امیر بھی امیر پر ظلم کر رہا ہے۔ یہ رسمیں ختم ہونی چاہییں۔ دنیا کے کسی خطے میں یہ بیماری نہیں ہے، سوائے برصغیر کے''۔

(نیٹ پر موجود بیان سے اقتباس)

فصل ثالث:

دعوتِ ولیمہ کے شرعی احکام

اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں ،آج ہزاروں میں کسی ایک کا ولیمہ مسنون ہوگا،جس طرح دیگر شرعی اعمال محض رسم بن کر رہ گئے ہیں؛اسی طرح حال ہے ولیمہ کا۔ولیمہ کا مسنون ہونا لوگوں کے پیشِ نظر نہیں ہے۔اس لیے وہ ولیمہ کے مسنون ہونے کی شرائط کا لحاظ نہیں کرتے۔مسنون ولیمہ یہ ہے:(۱)حسبِ استطاعت ہو(۲)قرض نہ لیا جائے(۳)ولیمے کا عوض نہ لیا جائے(۴) فقراء کو لازمی شریک کیا جائے(۵)فخر وشہرت کی نیت نہ ہو(۶)تکلف نہ ہو،آسانی کے ساتھ جو میسر ہو،وہ کھلا،یا پلا دیا جائے۔

اب ہر مسلمان ان شرائط کو سامنے رکھ کر اپنے متعلق فیصلہ کرسکتا ہے،کہ اس کا ولیمہ کس حد تک سنت سے مطابقت رکھتا ہے۔ذیل میں چند ولیمے ملاحظہ کیجئے:

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا ولیمہ:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:''میری شادی کے موقع پر اونٹ ذبح ہوا نہ بکری،بلکہ سعد بن عبادہؓ کے گھر سے دودھ کا پیالہ آیا،وہی ولیمہ تھا''۔(تاریخ الخمیس:۳۵۷/۲)

سبحان اللہ!پیارے پیغمبرﷺ کا ولیمہ دودھ کے ایک پیالے سے ہوگیا۔یہ ہمارے پیغمبر کا مقدس اسوہ ہے،آپ کے پاس ان دنوں وسعت نہ تھی،آپ نے کسی قسم کے تکلف سے کام نہیں لیا،قرض نہیں اٹھایا،ہمیں سبق دے گئے کہ اگر تمہارے پاس وسعت نہ ہو تو پریشان نہ ہونا،چند لوگوں کو دودھ یا مشروب پلا دینے سے بھی یہ سنت ادا ہوجائے گی۔

سیدہ زینب بنت جحشؓ کا ولیمہ:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:''رسول اللہﷺ نے اپنی بیویوں میں حضرت زینبؓ سے بڑھ

کر کسی کا ولیمہ نہیں کیا، آپ نے ان کا پوری ایک بکری سے ولیمہ کیا''۔

(بخاری:٤٥/٧، کتاب النکاح)

حضرت زینبؓ کی شادی کے موقع پر آپ کے پاس وسعت تھی، اس لیے آپ ﷺ نے ولیمہ میں بکری ذبح کی ۔اس میں بھی ہمارے لیے یہ سبق ملا کہ اگر وسعت ہوتو بخل نہ کرنا، جتنی جیب اجازت دے اتنا خرچ کرنا۔ہمارے اندراب یہ وصف نہیں رہا،ہم لوگ مقروض ہوکر''عالیشان''دعوت کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی شادی کے موقع پر آپ نے انہیں فرمایا تھا:''ولیمہ کر، اگر چہ ایک بکری کے ساتھ کر''۔اس حدیث کے پیشِ نظر علماء فرماتے ہیں کہ خوشحال اور کھاتے پیتے بندے کے لیے مناسب یہ ہے کہ ایک بکری کے ساتھ ولیمہ کرے۔ کیونکہ حضرت عبدالرحمٰنؓ مالدار تھے، آپ ﷺ نے انہیں بکری سے ولیمہ کا فرمایا۔اورغریب آدمی حسبِ وسعت کرے، اگر چہ شربت بھی پلا دے۔

یہاں ایک اور بات بھی یادرکھنے کے قابل ہے کہ ہمارے ولیموں کے کارڈ چھپتے ہیں؛لیکن جب رسول اللہ ﷺ کی حضرت زینبؓ سے شادی ہوئی تو ولیمہ والے دن، آپ ﷺ نے حضرت انسؓ کو بھیجا کہ جاؤ جو ملے اسے ولیمے کے لیے بلالاؤ۔چنانچہ کارڈوں کے بجائے حضرت انسؓ دعوت ولیمہ کے لیے لوگوں کو بلالائے۔

حضرت ام سلمہؓ کا ولیمہ:

حضرت صفیہ بنت شیبہؒ فرماتی ہیں :''رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک بیوی کا ولیمہ ایک مُد جَو سے کیا''۔ (بخاری:٤٥/٧، کتاب النکاح)حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جس بیوی کے ولیمے کا ذکر ہے وہ حضرت ام سلمہؓ ہیں ۔دیکھئے !ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ ہمارے لیے کیسی آسانیاں فرما گئے ہیں،لیکن ہم لوگ پھر بھی تکلفات میں مگن ہیں۔معلوم ہوا کہ کوئی مسلمان یہ بہانا بھی نہیں بنا سکتا کہ میرے پاس ولیمے کے لیے پیسے نہیں، کیونکہ ہمارے نبی ﷺ جو اور دودھ سے بھی ولیمہ کر گئے ہیں، لہٰذا ہم بھی کر سکتے ہیں۔

حضرت صفیہؓ کا ولیمہ:

جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہؓ سے خیبر سے مدینہ واپسی کے موقع پر مقام ''صہباء'' میں شادی کی۔ پھر حضرت انسؓ سے فرمایا: ''لوگوں سے کہو! جس کے پاس جو کچھ سامان کھانے کا جمع ہو، لے کر آ جائے''۔ کوئی کھجور لایا، کوئی پنیر اور کوئی ستو لایا اور کوئی گھی۔ جب اس طرح بہت سامان جمع ہو گیا تو سب نے مل کر کھالیا، یہ حضرت صفیہؓ کا ولیمہ تھا۔ اس ولیمہ میں نہ گوشت تھا نہ روٹی''۔

(بخاری:۴۰/۷، کتاب النکاح، باب البناء فی السفر، سیرۃ المصطفیٰ:۳۰۶/۳)

ولیمہ میں آسانی کی، سادگی کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی۔ مسلمانوں کے کسی غریب سے غریب آدمی کا بھی ولیمہ ایسے نہیں ہوتا، لیکن وہ عظیم محسنِ کائنات ﷺ ہمیں اتنی آسانی بھی دے گئے ہیں، کاش ہم اپنے محبوب کے سچے محبّ بن جائیں۔

حضرت علیؓ کا ولیمہ:

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کی شادی کر دی تو ان سے فرمایا: ''اے علی! دلہن کے گھر آنے پر ولیمہ ضروری ہے''۔ حضرت سعدؓ نے کہا کہ میرے پاس مینڈھا ہے، میں وہ دے دیتا ہوں۔ اور انصار نے چند صاع مکئی جمع کی۔ یوں خاتونِ جنت کا ولیمہ ہوا۔

(حیاۃ الصحابہ:۳۹/۳)

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان مبارک ہستیوں کی تقلید کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں، کہ ہم بھی اپنی شادیوں میں فخر ومباہات سے بچتے ہوئے سادگی کے ساتھ اپنے ولیمے کریں۔

بدترین ولیمہ

جس طرح مسنون ولیمہ کی دیگر شرائط کا خیال نہیں رکھا جاتا، ایسے ایک اہم شرط ''فقراء کی شرکت'' کو بہت نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ اس کے متعلق سخت وعید آئی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''برا ولیمہ وہ ولیمہ ہے جس میں مال دار لوگ تو بلائے جائیں، اور محتاج لوگ نہ بلائے جائیں''۔ (بخاری:۴۷/۷، کتاب النکاح۔ ابن ماجہ:۱۳۹)

حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: ''حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی ولیمہ کرے تو غریبوں اور حاجت مندوں کو نظرانداز نہ کرے، ان کو ضرور دعوت دے۔ جس ولیمہ میں ان کو نہ بلایا جائے، صرف امیروں اور بڑے لوگوں کو مدعو کیا جائے، اس کا کھانا اس لائق نہیں کہ کھایا جائے''۔ (معارف الحدیث: ٤٦٣/٧)

اگر غریب فقیر بن بلائے شریک ہو جائے، تو یہ کافی نہیں۔ اس حدیث میں لفظ ہے '' **يترك الفقراء** '' کہ فقراء کو دعوت ہی نہ دی جائے تو ایسے ولیمے کا کھانا ''شرالطعام'' ہے، یعنی بدترین کھانا ہے۔ آج نوے فیصد ولیمے، مسنون ولیمے کی تمام شرائط کو پامال کر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا صرف ایک ولیمہ ''گوشت روٹی'' کے ساتھ ہوا تھا، لیکن ہمارے ہاں ہر کوئی چاہے وہ بہت ہی غریب ہی کیوں نہ ہو، قرض اٹھا کر گوشت روٹی کھلانے کو ہی ولیمہ سمجھتا ہے۔ یہ بات کہنے کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ ہم وسعت والوں کو بھی بڑی دعوت سے منع کر رہے ہیں، نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔ ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہے بندہ اپنی اوقات کو دیکھ کر ولیمہ کرے۔ اور یہ سمجھانا بھی چاہتے ہیں کہ ولیمہ میں عالیشان دعوت اور گوشت روٹی کوئی لازمی اور ضروری امر نہیں ہے۔ آج کل تو امیر لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ ولیمے کی مختصر دعوت کریں، کیونکہ حدیث کے تحت لکھا جا چکا ہے کہ ایک بکری کا ذبح کرنا بڑا ولیمہ ہے۔ اب اس سے بھی بڑا ولیمہ کرنا نہ فرض ہے نہ واجب، بلکہ اگر فخر و نمائش کی نیت ہوگئی تو اس کو ولیمہ کہنا بھی صحیح نہ ہوگا۔

اگر امیر لوگ سادہ ولیمہ کریں گے، تو غریبوں کے لیے بھی آسانی پیدا ہو جائے گی۔ ہم لوگوں نے شادی کے ہر جزو کو اتنا مہنگا کر دیا ہے کہ لوگ شادی کا نام لینے سے پہلے مدتوں سوچا کرتے ہیں۔

ولیمہ کے حوالے سے ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ولیمہ میں سینکڑوں یا ہزاروں لوگوں کو بلانا کوئی شرعی حکم نہیں، بلکہ اس میں ریاء کاری کا خطرہ ہے۔ دورِ رسالت میں ولیمے کے لیے دور دور سے لوگ نہ بلائے جاتے تھے، بس اسی وقت کسی کو بھیج کر چند لوگوں کو بلا لیا جاتا تھا۔

ولیمہ کے متعلق چند اہم باتیں

حضرت منصورالزمان صدیقی صاحبؒ نے ولیمہ کے حوالے سے ایک مفید مضمون لکھا تھا، مناسب ہے کہ وہ آپ بھی پڑھیں:

''دعوتِ ولیمہ مسنونہ یعنی شادی کے بعد کی دعوت سنت سمجھ کر تقریباً ہر شادی میں کی جاتی ہے۔لیکن جہاں معاشرہ میں دیگر خرابیاں اور بالخصوص شادی کے موقع پر اسراف اور فضول خرچ کیا جاتا ہے اور اکثر و بیشتر دین و مذہب کے خلاف رسوم ادا کی جاتی ہیں، وہاں ولیمہ بھی اس کے دائرہ میں آجاتا ہے۔ ولیمہ کے نام پر جو فضول اخراجات اور مال وزر کی نمائش کی جاتی ہے، وہ ہرگز سنت نہیں، بلکہ خلافِ شعائرِ اسلام اور بعض صورتوں میں تو حرام وناجائز ہوتا ہے۔

ایک طرف فضول اخراجات اور مالِ دنیا کی نمائش کا گناہ، دوسری جانب خلافِ شرع حرکات کو طریقِ مسنون سمجھنا یا ان کو مسنونہ کہنا گناہ ہے۔ یقیناً یہ صورت محض ناواقفیت اور لاعلمی کے باعث ہے، ورنہ یہ جسارت کسی مسلمان میں نہیں کہ وہ اپنی مرضی ومنشاء کے مطابق یا ماحول اور برادری کے اثرات کے تحت لغورسوم اور نمائش کرے اور اس کو مسنونہ یعنی رسول کریم ﷺ کی سنت کہے اور گرفتارِ عذاب ہو۔

فی زمانہ ولیمہ کی دعوت جس طرح رائج ہے، وہ اکثر و بیشتر خلافِ سنت ہے۔ کسی بھی عمل کے لیے ضروری ہے کہ اول اس کا علم حاصل کیا جائے اور اس کو مطابق سنت ادا کیا جائے، تب یہ فعل مسنون ہوگا۔ ظاہر میں یہی صورت ہے، نیت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، اور اعمال کی جزاء نیت پر موقوف ہے۔

ولیمہ کی شرائط:

زندگی کے ہر شعبہ میں ہمیں حضور اکرم ﷺ کی ہی پیروی کرنی چاہیے۔ شر وفساد اسی وقت رفع ہوگا کہ جب ہم اس انسان کامل ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں گے۔ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات خواہ خوشی کی ہوں یا غمی کی، سب کے لیے تعلیم موجود ہے

اوراتباع سنت ممکن ہے۔

شرط اول:

ولیمہ سنت ہے،لیکن یہ وضاحت صاف ہے کہ استطاعت کے مطابق ہو۔یہ ضروری نہیں کہ ہزاروں،سینکڑوں مہمان مدعو ہوں ۔یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ کئی وضع کے کھانے ہوں ۔یہ بھی ضروری نہیں کی نمائش وآرائش ہو۔بلکہ اصل چیز اتباعِ سنت کی نیت ہے ۔سنت یہ ہے کہ اگر استطاعت ہوتوایک بکری ذبح کرکے ،کھانا پکواکرعزیزواقرباءاورمساکین کوکھانا کھلادیں۔

اس دعوت میں رشتہ دار،دوست احباب ، پڑوسی مدعو کیے جاسکتے ہیں ۔لیکن غرباءاور مساکین کی شرکت بہرحال ہونی چاہیے۔اوراگراپنے عزیزوں اوررشتہ داروں میں ایسے لوگ ہوں تو ان کا حق مقدم ہے،ان کوضرور مدعوکیا جائے۔اگرصرف اغنیاءیعنی دولت مند افرادہی مدعو کیے گئے تو پھر دعوت ولیمہ،مسنونہ کی تعریف میں نہیں آئے گی۔ ایسی دعوت کو مسنونہ نہیں سمجھا جائے گا،کیونکہ ولیمہ کی دعوت میں فقراء اور مساکین کی شرکت لازمی ہے۔

مقصدولیمہ:

ولیمہ کی دعوت اللہ تعالیٰ کے شکر میں کی جاتی ہے۔اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ زفاف کا اعلان ہوجائے اورگواہ ہوجائیں ۔اس سلسلہ میں احقر نے چندسوالات مرتب کر کے حضرت مولانا سیدحامدمیاں صاحب ،شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور کی خدمت میں ارسال کیے ،جن کے جوابات جامعہ مدنیہ کے حضرت مفتی عبدالحمید صاحب نے عنایت فرمائے۔ذیل میں سوال وجواب نقل کیے جاتے ہیں تاکہ مسئلہ کی شرعی حیثیت واضح ہو۔

سوالات:

سوال نمبر ۱ ۔ولیمہ کی صحیح اورمسنون صورت کیا ہے؟

سوال نمبر ۲ ۔ایسی دعوت جہاں مردوزن کامخلوط اجتماع ہو،ولیمہ مسنونہ کی دعوت کہی جاسکتی ہے؟

سوال نمبر ۳۔وسعت اور دولت کے باوجود کیا آرائش وروشنی میں زر کثیر خرچ کر کے ہزار یا کم وبیش تعداد کو مدعو کرنا ولیمہ مسنونہ کی دعوت کہی جا سکتی ہے، جب کہ قرائن سے ظاہر ہوتا ہو کہ یہ فخر وتفاخر اور اس سے بھی زیادہ رواج کے تحت ہو رہا ہے؟

جوابات:

''جواب نمبر:۱۔ حضور ﷺ کے ولیموں میں سب سے بڑھ کر ولیمہ ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا تھا، جس میں آپ نے لوگوں کو گوشت روٹی پیٹ بھر کر کھلائی۔ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں نہ گوشت تھا، نہ روٹی، بلکہ دستر خوان بچھایا گیا اور کھانے کے لیے کھجور، پنیر اور گھی رکھا گیا۔بعض ازواج کے ولیمہ میں دو سیر جو سے دعوت ولیمہ کی گئی۔

اسی طرح بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ کے بعض ولیموں میں ستو اور کھجوریں کھلائی گئیں۔ان روایات سے معلوم ہوا کہ دعوت سنت ہے لیکن استطاعت کے مطابق جو میسر ہو۔فضول خرچی اور ریا ونمود، فخر ومباہات سے یکسر خالی ہو، صرف سنت اور ثواب کے لیے کی جائے۔

دعوت ولیمہ شب زفاف کے بعد کی جائے۔اعزہ واقارب اور احباب کو حسبِ استطاعت بلایا جائے، فقراء اور مساکین کو بھی شامل کیا جائے۔یہ بھی ذہن نشین رہے کہ کوئی بھی حکمِ شرعی، فرض ہو یا واجب یا سنت، جس طرح سے شریعت میں اس کا ثبوت ہے، اگر اس کے مطابق کیا جائے گا تو وہ شرعی حکم ادا ہوگا، ورنہ نہیں۔اسی طرح اگر اس حکم شرعی کے کرنے میں بعض معاصی کی آمیزش ہو جائے تب بھی وہ فعل حکم شرعی سے خارج ہو جائے گا۔

جواب نمبر:۲۔اگر اختلاط سے مراد مردوں اور عورتوں کا بے حجابانہ خلط ملط ہے، تو یہ ولیمہ مسنونہ نہیں ہوگا۔

جواب نمبر:۳۔جو لوگ بطور تفاخر ومقابلہ کے دعوت کریں، آپ ﷺ نے ان کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔اسی طرح فساق کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے''۔

اصلاح طلب مسئلہ:

اس فتویٰ کی رو سے ہمیں مروجہ دعوتوں کے طریق کار پر غور کرنا چاہیے، مسلمان جس تہذیب پر اب عمل پیرا ہو رہے ہیں وہ بڑی تیزی سے ہمیں اسلام کی روشنی سے نکال کر جہالت کی تاریکی میں داخل کر رہی ہے۔ خصوصاً وہ اعمال کہ جن پر مسنونہ کا اطلاق ہوتا ہے، فوری اصلاح طلب ہیں۔ ورنہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنی مرضی ومنشاء کے مطابق، یا برادری اور ماحول کے رسم ورواج کے مطابق عمل کر کے اس کو سنت کے بابرکت نام سے سے موسوم کرتے ہیں، جیسا کہ ولیمہ مسنونہ کا معاملہ ہے۔

آپ کو بھی ایسے اجتماعات دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا کہ جس میں مخلوط انتظام ہوتا ہے، عموماً بڑے ہوٹلوں میں ایسے اجتماعات ہوتے ہیں، جس میں مرد وزن باہم مل کر کھانا کھاتے ہیں یا کھڑے ہوکر کھانا کھایا جاتا ہے، یہ صورت ہرگز ہرگز سنت کے مطابق نہیں ہے۔ اب اگر اس دعوت کو ولیمہ مسنونہ کا نام دیا جائے تو یہ لاعلمی اور جہالت کی بات ہے اور بہت بڑا گناہ ہے۔

ولیمہ کی صحیح صورت وہی ہے جو پیشتر جواب نمبر(۱) میں درج ہے۔ یعنی حسبِ استطاعت صرف ثواب اور اتباعِ سنت کی نیت سے کیا جائے۔ اگر گنجائش ہو تو بہتر یہ ہے کہ کم از کم ایک بکرا یا بکری ذبح کرے اور کھانا پکوا کر احباب، اعزاء، پڑوسی، متعلقہ افراد اور غرباؤ مساکین کو کھلائے۔ اس میں کہیں بھی تعداد کا لحاظ نہیں ہے۔ اگر استطاعت چند افراد کے لیے ہے تو وہی کافی ہے۔

شرط دوم:

اول شرط، نیتِ ثواب اور اتباعِ سنت ہے، جب نیت یہ ہوگی تو اس کے ساتھ ہی کچھ اور ضروری امور کا لحاظ رکھنا ہوگا، مثلاً یہ کہ آمدنی حلال کمائی کی ہو، ظاہر ہے کہ ناجائز اور مشکوک آمدنی سے کوئی بھی عمل صالح یا خیرات قبول نہیں ہے۔ اس ناجائز اور حرام کمائی میں رشوت بھی شامل ہے، حرام کاروبار مثلاً شراب اور جوا کی آمدنی بھی حرام ہے، اس سے بھی کوئی کار خیر نہیں کیا جا سکتا۔

ایسی محفل میں رقص وموسیقی، فلم شو اور ریکارڈنگ وغیرہ نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ یہ سب

نہ ولیمہ کا جزو ہیں نہ شرعاً جائز ہیں، بلکہ اپنی جگہ خود حرام ہیں۔مخلوط اجتماع نہ ہو، کیونکہ خواتین کے لیے پردہ لازمی امر ہے،اوراس خاص مجلس میں جوسنت کے نام پر کی جارہی ہو،اس کی پابندی نہایت ضروری ہے ۔مساکین اورغریب رشتہ داروں کی شرکت لازمی اورضروری ہے۔

اگررشتہ دارایسے نہ ہوں تو پھردوسرے فقراء اورمساکین شامل کیے جائیں ۔(اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ دعوت کے عوض میں کوئی چیز وصول نہ کرے، جیسے ہمارے یہاں نیوتہ کا معمول ہے۔اگرکسی نے دعوت ولیمہ کے عوض نیوتہ وصول کیا توایسا ولیمہ مسنون ہرگز نہ ہوگا)

سنت ولیمہ:

ولیمہ کی دعوت کرنافرض یاواجب نہیں ہے، بلکہ یہ ایسی ہے کہ حسب استطاعت عمل کرناچاہیے،اگراستطاعت نہ ہوتو تردنہیں کرناچاہیے،تاہم اتباع سنت کا ثواب حاصل کرنے کے لیے ممکن ہوتودوچارقریبی اعزاء یامساکین کوجوبھی حاضرہوکھلادے۔یہ کھانا بھی ہوسکتا ہےاورستو، جو، کھجوریاکوئی مٹھائی خواہ وہ کتنی ہی ارزاں ہو،کھلادےتوولیمہ کی سنت اداہوجائے گی۔اگرصرف دودھ کے دوگھونٹ بھی اس نیت سے پلادیے جائیں توان شاءاللہ نیت کےمطابق اس طرح بھی سنت ولیمہ اداہوجائے گی۔(بنات عائشہ)

☆......☆......☆

نیوتہ اور سلامی کی رسم

سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ اور حضرت صحابہ کرامؓ اپنی استطاعت کی حد تک ولیمے کرتے تھے،لیکن ولیمے کا عوض، جسے نیوتہ کہتے ہیں، ہرگز نہ لیتے تھے۔جس ولیمہ کا عوض لیا جائے وہ ولیمہ سنت نہیں بلکہ خلافِ سنت اور خلافِ عقل ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوشی نصیب کی،آپ نے دعوت کی، پھر دعوت کھلا کر پیسے وصول کر لیے، یہ کس قدر بے مروتی ہے؟ یہ دعوت تو نہ ہوئی، ہوٹل کا کھانا ہو گیا، بلکہ ہوٹل اس سے اچھا،کیونکہ وہاں جتنا کھائیں گے،اتنا ہی بل دیں گے،اور یہاں اگرچہ ایک لقمہ کھائیں لیکن نیوتہ کی ادائیگی ہزاروں میں ہوگی۔

جس طرح شادی کے موقع پر آپ ﷺ کا ولیمہ کرنا مخفی نہیں،اسی طرح ولیمہ کا عوض نہ لینا بھی مخفی نہیں ہے۔جو شخص نیوتہ لیتا ہے، وہ سنت سے منہ موڑتا ہے۔آپ ﷺ نے نیوتہ نہیں لیا،اس لیے نہ لینا سنت ہے۔اس سنت پر عمل کی وجہ سے نکاح میں برکت ہوگی۔اس کے برعکس نیوتہ لینے سے شادی میں بے برکتی ہوگی،جس کا ہم روزانہ مشاہدہ کر رہے ہیں۔

نیوتہ کی خرابیاں

نیوتہ کی خرابیوں کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل امور پر غور کریں:

۱۔ بلا ضرورت قرض لینا،شریعت کی نگاہ میں سخت گناہ ہے۔حدیث میں تو اتنا بھی آتا ہے کہ مقروض کی روح دخولِ جنت سے روک دی جاتی ہے، یہاں تک کہ قرض اتار دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔قرآن کریم میں فرمایا:''اگر تم سودی کاروبار سے باز نہیں آتے،تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ''۔ گویا سود لینے دینے والے اللہ اور اس کے رسول سے حالتِ جنگ میں ہیں۔حدیث میں سود اور سودی کی مذمت کسی مسلمان سے مخفی نہیں۔

۳۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''خبردار ہو جاؤ ظلم نہ کرو! خبردار! کسی کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں''۔(سنن دارقطنی: ۲/ ۲۰)

ان امور کو ذہن میں رکھتے ہوئے ذیل کی باتوں پر غور کریں:

۱۔ نیوتہ قرض ہوتا ہے جو دینے والے کی شادی میں واپس کرنا ہوتا ہے، اسی لیے یہ تمام کاروبار باقاعدہ رجسٹر میں درج ہوتا ہے۔ یہ قرض لینا بغیر ضرورت کے ہے۔ اوپر آپ نے پڑھ لیا ہے کہ بغیر ضرورت قرض لینا گناہ ہے۔ صاحبِ وسعت بھی یہ لیا کرتا ہے۔

۲۔ شرعی حکم یہ ہے کہ جوں ہی رقم کا بندوبست ہو، قرض بہت جلد اتار دینا چاہیے، لیکن یہاں جب تک دوسرا آدمی شادی نہیں کرے گا، پہلا آدمی قرض انہیں اتارے گا۔ حدیث میں تو آتا ہے کہ باوجود وسعت کے ادائیگی نہ کرنا ظلم ہے۔

۳۔ اب اگر خدانخواستہ جو آدمی نیوتہ وصول کر چکا ہے، قرض اتارے بغیر مر جاتا ہے، تو کس قدر وہ مصیبت میں پھنس چکا ہے۔ قرض شہید کو بھی معاف نہیں، عام فرد کا کیا بنے گا؟

۴۔ نیوتہ صاف طور پر سود ہے۔ کیونکہ یہ قرض ہے، اور طے ہوتا ہے کہ دی ہوئی رقم سے زائد دینا ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''کل قرض جر نفعا فھو ربا''

(نیل الاوطار: ۲۵۲/۳)

''ہر وہ قرض جو نفع اپنے ساتھ لے کے آئے، وہ سود ہے''۔ اب جس شادی کی بنیاد سود پر ہو، اس میں کس قدر راحت وسکون آ سکتا ہے؟

۵۔ نیوتہ برادری کے دباؤ کی وجہ سے دیا جاتا ہے، کیونکہ معلوم ہے کہ نہ دینے سے برادری سے بھی خارج کیا جا سکتا ہے۔ بندہ نے کئی مرتبہ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: ''اتنے رشتے داروں کی شادیاں اکٹھی آ گئیں ہیں، نیوتہ کی مصیبت ادا کرنی پڑے گی''۔ پھر لوگوں کو قرض لے کر ادائیگی کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ دلی رضامندی نہیں، بلکہ رسم کی پابندی مقصود ہے۔

نیوتہ کے ساتھ ایک اور رسم سلامی کی بھی جاری ہے، کیونکہ اس میں بھی نیوتہ والی قباحتیں موجود ہیں، اس لیے یہ بھی ناجائز ہے۔ ہمارے دیہاتوں میں تو سلامی کی کاروائی بڑے عجیب طریقے سے انجام پاتی ہے۔

دلہا اپنی بارات لے کر جب چلتا ہے تو وہ اپنے گھر سبھی باراتیوں کومل چکا ہوتا ہے، لیکن وہاں دلہن والے گھر نکاح کے بعد کھڑے ہو کر سبھی باراتیوں کو فرداًفرداً ملتا ہے، ملنے والے افراد مبارک باد بھی دیتے ہیں اور ساتھ ہی''سلامی'' کے نام سے مخصوص رقم دلہا کے ہاتھ میں تھمادیتے ہیں۔اس میں اور سڑک پر مانگنے والے فقیر میں اس قدر فرق ہے کہ فقیر صدا لگا کر مانگتا ہے اور دلہا بغیر صدا کے۔

نیوتہ اور سلامی کے متعلق حضرات اکابر اور ارباب فتاویٰ کی آراء

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تحقیق:

''وَمَا آتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ''اس آیت میں ایک بری رسم کی اصلاح کی گئی ہے جو عام خاندانوں اور اہل قرابت میں چلتی ہے۔وہ یہ کہ عام طور پر کنبہ رشتہ کے لوگ جو کچھ دوسرے کو دیتے ہیں اس پر نظر رکھتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے وقت میں کچھ دے گا، بلکہ رسمی طور پر کچھ زیادہ دے گا۔خصوصاً نکاح،شادی وغیرہ کی تقریبات میں جو کچھ لیا یا دیا جاتا ہے اس کی یہی حیثیت ہوتی ہے،جس کو عرف میں نیوتہ (نیوندرہ) کہتے ہیں۔

اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ اہل قرابت کا جو حق ادا کرنے کا حکم پہلی آیت میں دیا گیا ہے،ان کو یہ حق اس طرح دیا جائے کہ ان پر احسان جتائے اور نہ کسی بدلے پر نظر رکھے۔اور جس نے بدلے کی نیت سے دیا کہ ان کا مال دوسرے عزیز رشتہ دار کے مال میں شامل ہونے کے بعد کچھ زیادتی لے کر واپس آئے گا تو اللہ کے نزدیک اس کا کوئی درجہ اور ثواب نہیں۔اور قرآن مجید نے اس زیادتی کو لفظ ربوا (سود) سے تعبیر کر کے اس کی قباحت کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ایک صورت سود کی سی ہوگئی۔

(معارف القرآن:٦/ ٧٥٠)

مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب کی رائے گرامی:

''زمانہ دراز سے ایک بڑی بدترین رسم شادی بیاہ میں چلی آ رہی ہے جس کو ہمارے علا

قہ میں نیوتہ یا سلامی کی رسم کہتے ہیں۔ یہ رسم آج بھی شادی بیاہ کے موقع پر ہوتی ہے۔ اور ہوتا یہ ہے کہ جس شخص نے شادی کے موقع پر دولہا یا دولہن والوں کی جتنی خدمت کی ہے، اس کو باقاعدہ رجسٹر میں نام کے ساتھ لکھا جاتا ہے؛ جس میں شادی کی تاریخ پڑی ہوتی ہے اور دینے والے کا نام لکھا ہوا ہوتا ہے اور سامنے اس کی رقم لکھی ہوتی ہے کہ فلاں بن فلاں نے ہمارے خاندان کی فلاں بنت فلاں کی شادی پر اتنی رقم دی۔

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہ سودی معاملہ ہے، اس لیے کہ اگر یہ ہدیہ ہوتا تو ہدیہ میں واپسی کا کوئی سوال ہی نہ ہوتا، یہ تو قرض لیا تھا، تو قرض واپس کیا جاتا ہے۔ اس میں برابر ہو تو آدمی کو کچھ گناہ نہیں ہوتا، سو دیے تھے تو سو لے گا، اور شرعی لحاظ سے سو کے بدلے تو سو لینا ٹھیک ہے۔ اور وہ بھی اس وقت جب واقعی ضرورت ہو، یہاں کیا ضرورت ہے؟ قرض تو ضرورت کے موقع پر لیا دیا جاتا ہے اور وہ بھی قرض حسنہ، یعنی جتنا دیا تھا اتنا ہی واپس لینا ہے، نہ کم نہ زیادہ، لیکن یہاں تو سرے سے کوئی ضرورت ہے ہی نہیں، بلاضرورت یہ لیا دیا جارہا ہے۔

اور شریعت کے اندر بلاضرورت قرض لینا یا بلاضرورت قرض مانگنا یہ بھی اچھا نہیں ہے، مگر یہاں تو ارادہ ہی پہلے سے یہ ہوتا ہے کہ جتنا دیا ہے اس سے زیادہ واپس لینا ہے، یہ تصور پہلے ہی سے ہوتا ہے اور کم پر لڑنے مرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس کے اندر نا اتفاقی ہو جاتی ہے اور طعن وتشنیع تو لازمی ہے۔ تو جتنا دیا تھا اس سے زیادہ جو لیا جارہا ہے یہ سود ہے، اس لیے کہ ہر وہ قرض جس پر ذرا سا بھی نفع لیا جائے وہ سود ہے۔

چنانچہ سود کا یہ لین دین کوئی معمولی گناہ نہیں ہے، بہت ہی خوفناک، بہت ہی خطرناک، بڑا ہی سنگین اور بڑا ہی حرام کام ہے۔ جس کا حرام ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے، ایک نہیں دس آیتوں سے ثابت ہے اور چالیس سے زیادہ احادیث اس کے حرام ہونے پر موجود ہیں اور پوری امت اس کے ناجائز اور حرام ہونے پر متفق ہے۔ لہذا اب چاہے ساری دنیا حلال کہے، ان کے کہنے سے کیا ہوتا ہے، جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے کہنے سے ہوتا ہے۔ جب انہوں نے اس کو حرام کر دیا تو قیامت تک حرام ہے، چاہے ساری دنیا کھائے پیے۔

شادی میں بے برکتی کی وجہ:

شادی کے موقع پر دیکھیں کہ یہ سودی معاملہ کس طریقہ سے کھلے عام ہورہا ہے۔جس شادی کے اندر سود کا لین دین ہوگا اس کے اندر خیر کہاں سے آئے گی ؟ کہاں سے راحت آئے گی؟ کہاں سے اس میں برکتیں آئیں گی؟ کہاں سے اس میں سکون آئے گا؟ کہاں سے میاں بیوی کے دل میں جوڑ پیدا ہوگا؟ کیسے میاں بیوی میں اتفاق ہوگا؟ کیسے دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے والے ہوں گے؟ دونوں خاندان کے لئے کیسے وہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں گے؟

توڑنے کے سارے انتظامات ہم نے پہلے ہی کرر کھے ہیں، ایسے رشتہ کا کامیاب رہنا مشکل ہے، اور اگر نہ ٹوٹا تو نکاح کے مقاصد سے تو محروم ہو ہی جائے گا۔اور جو نکاح کے فوائد سے، نکاح کے ثمرات سے، نکاح کی برکات سے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نوازشوں سے خالی ہوگیا، اس کے اندر بے سکونی، بے قراری اور بے چینی کے علاوہ اور کیا ہوگا؟ اور اس گناہ کے اندر دین دار لوگ بھی مبتلا ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں بچائے، آمین''۔(اصلاحی بیانات :۳/ ۱۳٦)

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی کا فتویٰ:

''شادی کی تقریب میں صاحبِ تقریب کو بطورِ تحفہ یا ہدیہ کوئی چیز یا نقد رقم دینا، جس میں ریاء، نام ونمود اور واپس لینے کی نیت نہ ہو، جائز ہے، گناہ نہیں۔لیکن آج کل شادی بیاہ کے موقع پر نیوتہ کے نام سے جو رسم جاری ہے، اس میں متعدد مفاسد پائے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے فقہاء نے اس سے منع کیا ہے۔ان میں سے کچھ مفاسد ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ بلاضرورت قرض لیا جاتا ہے۔

۲۔ قرض کو استطاعت کے وقت فوراً ادا کرنا چاہیے، لیکن اس میں دینے والے کے ہاں تقریب ہونے کا انتظار کیا جاتا ہے، بعض اوقات لینے والے کی موت کی صورت میں یہ قرض ادائیگی بغیر رہ جاتا ہے۔

۳۔ یہ مشروط ہوتا ہے، کیونکہ جب واپس کیا جاتا ہے، تو، لی گئی رقم سے زائد ہی واپس کیا جاتا ہے۔ اگر کم یا برابر واپس کیا جائے تو اس کو بُرا سمجھا جاتا ہے، اور یہ واضح ہے کہ لی گئی رقم سے زائد دینے کی صورت میں یہ ''ہروہ قرض جو نفع کے ساتھ لوٹے، سود ہے'' کے تحت داخل ہو کر سود ہوگا۔ اور سود کا لینا دینا ناجائز و حرام ہے۔

۴۔ یہ رقم معاشرے اور رواج کے جبر سے لی جاتی ہے، اس لیے کہ اس رسم پر عمل نہ کرنے کی صورت میں طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے، یا کم از کم گری ہوئی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اس طرح سے کسی کی دلی خوشی کے بغیر اس کا مال حاصل کرنا شرعاً جائز نہیں۔ دیکھا جائے تو یہ رسم عقلاً بھی درست نہیں، کیونکہ شادی بیاہ خوشی کے مواقع ہیں، اور ان خوشی کے مواقع میں صاحبِ تقریب اظہارِ مسرت کے طور پر دعوت کا اہتمام کرتا ہے، اب اس دعوت کا عوض وصول کرنا عقلِ سلیم کے نزدیک بھی باعثِ عار ہے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ واضح ہوگیا کہ شرعاً نیوتہ کے لین دین کی رسم ان مفاسد کے ہوتے ہوئے ناجائز ہے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ اس طرح کی رسم بد سے اجتناب کریں۔ اور اس نیوتہ کی مد میں کسی کے ذمے کوئی قرض باقی ہو تو اسے فوراً ادا کریں یا صاحبِ حق سے معاف کرائیں، اور کسی دوسرے کے ذمے لینا باقی ہو، تو چاہیں تو وہ وصول کرلیں یا اپنی خوش دلی سے معاف کرکے معاملہ پاک وصاف کرلیں''۔ (فتویٰ نمبر:۲/۸۶۶)

جامعہ خیر المدارس ملتان کا فتویٰ:

''نیوتہ کی رسم نہایت قبیح ہے، ناجائز اور بدعت ہے۔ چونکہ یہ رقم بطور ہمدردی کے نہیں دی جاتی، بلکہ برادری کے دباؤ کی وجہ سے دی جاتی ہے، اور نہ دینے والے کو ملامت کی جاتی ہے، بلکہ برادری سے بھی نکال دیا جاتا ہے، گویا یہ رقم جبراً وصول کی جاتی ہے، اور جبراً کسی سے رقم وصول کرنا حرام ہے''۔ (خیر الفتاویٰ: ٤/ ٦٠١)

☆......☆......☆

فصل رابع:

حق مہر کی اہمیت اور مسائل

جہیز دینے کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور نہ ہی احادیث مبارکہ میں، لیکن ہم لوگ بے دھڑک لڑکی والوں سے وصول کیے جا رہے ہیں۔ قرآن کریم نے بار بار مرد کو حکم دیا ہے کہ وہ عورت پر مال خرچ کرے؛ جسے حق مہر کہا جاتا ہے۔ حق مہر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مرتبہ اس کا تذکرہ فرمایا ہے "**وَاٰتُو النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَة**"۔ "اور ان کے مہر خوشی سے دے دو"۔ "**فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَة** "۔(النساء ٢٤)"ان کے مقررہ حق مہر انہیں دے دو"۔ اسی طرح احادیث پاک میں بھی اس کی ادائیگی کی سخت تاکید فرمائی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا (چاہے مہر کم ہو یا زیادہ) اور اس کے دل میں ادائیگی کا خیال نہ ہو تو اس نے عورت کو دھوکہ دیا۔ اور اگر وہ اسے ادا کیے بغیر مر گیا تو وہ اللہ کے سامنے زانی بن کر حاضر ہوگا"۔(مجموعة الفتاویٰ :١٦/ ٣١٩)

لہٰذا جو شخص قرآن اور حدیث کی ان تاکیدوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مہر کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتا ہے یا سرے سے دینے کی نیت ہی نہیں رکھتا، تو ایسا شخص شریعت کی نظر میں خدا کا نافرمان ہی نہیں بلکہ وہ زانی کے حکم میں ہے۔ قرآن وسنت میں جس کی تاکید نہیں یعنی جہیز، اس کے لئے لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں اور جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے لازم کی گئی ہے یعنی حق مہر، اس کو یا تو پورا پورا ادا ہی نہیں کرتے، اور اگر دینا ہی پڑے تو برائے نام ہی دیتے ہیں۔ اور بعض لوگ بیوی سے حق مہر معاف کرنے کی استدعا کرتے ہیں، یہ سب خلاف شریعت ہے۔

اگر آپ کو اللہ تعالیٰ نے دولت سے نوازا ہے تو اپنی بیوی کو خوب حق مہر دو۔ آج کل پڑھے

لکھے لوگوں کو بھی یہ معلوم نہیں کہ حق مہر کی کم از کم مقدار کیا ہے۔نکاح پڑھانے والے قاضی کو بھی معلوم نہیں۔کہیں کہا جاتا ہے ۵۰۰ روپے لکھ دو، کہیں ۱۰۰۰ روپے لکھوا دیتے ہیں۔ہزار روپیہ حق مہر لکھوانے والے دولہا صاحب کو ہزار روپے حق مہر لکھواتے ہوئے احساس نہیں ہوا، جب کہ آپ سسرال سے لاکھوں روپے کا جہیز وصول کر رہے ہیں؟

دورِ رسالت کے حق مہر:

حضرت ابوسلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ: ''نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات کا حق مہر کتنا تھا؟'' فرمانے لگیں ''آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کا حق مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا۔تمہیں معلوم ہے کہ نش کتنا ہوتا ہے؟ نصف اوقیہ ہوتا ہے، اور یہ پانچ سو درہم ہوا''۔(مسنددارمی:۱٤۳/۲،سنن ابن ماجه:۱۳٦،مشکوٰة:۲۷۷/۲)

صاحبِ معارف الحدیث اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: ''ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا، اس حساب سے ساڑھے بارہ اوقیہ کے پورے پانچ سو درہم ہوتے تھے۔یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس زمانے میں پانچ سو درہم کی رقم اچھی خاصی ہوتی تھی، اس سے کم و بیش چالیس پچاس بکریاں بھی خریدی جاسکتی تھیں''۔(معارف الحدیث:٤٥٧/٧)

حضرت ام حبیبہؓ فرماتی ہیں: ''میں عبیداللہ بن جحشؓ کے نکاح میں تھی۔ان کا حبشہ میں انتقال ہو گیا۔حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے میرا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا، اور آپ ﷺ کی طرف سے چار ہزار درہم مہر باندھ کر خود ہی ان کی طرف سے ادا کر دیا''۔(سنن نسائی:۷۰/۲)

حضرت صفیہؓ جنگ کے نتیجے میں قید ہو گئیں۔جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے شادی کر لی۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آزاد کر دینا ہی ان کا مہر قرار پایا۔

(بخاری:۱۳٦/۱،کتاب الصلوٰة،٤۰/۷،کتاب النکاح،باب البناء فی السفر)

حضرت عمرؓ نے سیدہ ام کلثومؓ سے شادی کی اور چالیس ہزار درہم حق مہر انہیں عطاء کیا۔ (او جزالمسالك:۲۹۱/۹،البدایه والنهایه:۳۰۹/۵)اوران کی پاکستانی قیمت تقریباً دس لاکھ پندرہ ہزار روپے بنتی ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کو مہر میں کچھ سامان دیا، جس

کی قیمت دس درہم تھی''۔اورابن اسحاق سے مروی ہے کہ ایک بستر،ایک رکابی،ایک پیالہ اورایک چکی تھی۔(سیرت النبی لابن هشام:٣٢٢/٤،سیرة المصطفیٰ:٣٠٦/٣)

ان جیسی احادیث کے پیشِ نظرحضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مہر کی مقدارمقررنہیں،اتنامہرمقررکرناچاہیے کہ آسانی سے ادائیگی ہوسکے۔البتہ حق مہر کی کم از کم مقداراحناف کےنزدیک دس درہم ہے۔

عرب وعجم کے دومتضادمسئلے:

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں شادیوں کے سلسلہ میں شوہروں کوہی فکرلاحق ہوتی تھی،کیونکہ انہیں حق مہراورنان ونفقہ کےمتعلق علم تھا کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے۔شریعت نے اگرچہ مہر کی ذمہ داری مردپرڈالی ہے،لیکن اسے پریشان پھربھی نہیں ہونے دیا۔مہر کےمتعلق ایک ہدایت آپ ﷺ نے یہ دی کہ:''بابرکت نکاح وہ ہے،جس میں مہر کی ادائیگی آسان ہو''۔
(مشکوٰۃ:٢٦٨/٢،کتاب النکاح،باب الصداق)

دوسری آسانی یہ ہوگئی کہ مہر کی دوقسمیں کردی گئیں:مہرمعجّل اورمہرمؤجل۔مہرمعجّل وہ ہے جسےفوراًادا کرنا طے ہوجائے۔اورمہرمؤجل یہ ہے کہ فوری ادائیگی کی بجائے فریقین کسی مخصوص وقت تک تاخیر پرراضی ہوجائیں۔

اب عرب میں صورت حال یہ ہے کہ وہاں لڑکے والوں کو پریشانی کا سامنا ہے؛جیسے ہمارے یہاں لڑکی والوں کو۔وہاں جب لڑکے والے رشتے کے لیےلڑکی کے سرپرستوں سے بات چیت کرتے ہیں،توسب سے پہلے انہیں اس سوال کا جواب دیناہوتا ہے کہ حق مہرکتنادوگے؟جیسے پاکستان میں لڑکی والوں سےسوال ہوتاہے کہ جہیزکتنادوگے؟۔

اگرتو،لڑکے والےحق مہرلاکھوں کی مالیت کابتائیں،تب بات پکی،ورنہ رشتہ ختم۔عرب میں مہرمسئلہ بناہواہےاورپاکستان میں جہیز۔جیسےہم لوگ اپنی کتابوں میں لوگوں کوجہیزکےسلسلہ میں ہونے والےغلوسےروک رہے ہیں،ایسے ہی عرب کےعلماءکرام اپنی کتابوں میں لڑکی والوں کو مہرمیں غلوکرنےاوربہت ہی زیادہ مہرمقررکرکےشادیوں کومشکل بنانے سےروک رہے ہیں۔

چنانچہ شیخ عبداللہ بن سبیل لکھتے ہیں:

''عوامی مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مہر کم مقرر کیا جائے، کتنی عورتیں ہیں؛ جوشوہروں کے بغیر بیٹھی ہیں؟اور کتنے مرد ہیں؛ جو بغیر بیویوں کے زندگی گزار رہے ہیں؟اس کی وجہ حق مہر کا لمبا چوڑا ہونا ہے۔اس کے علاوہ دیگر فضول خرچیوں کی وجہ سے شادی بوجھ بن گئی ہے،جس کی وجہ سے فواحش کا دروازہ کھل گیا ہے،لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ اس کا سدباب کرے''۔(توضیح الاحکام من بلوغ المرام:۳۹۲/۵)

محترم قارئین! آپ نے دیکھا کہ حق مہر،جس کی شریعت میں تاکیداور حکم ہے، یہاں تک بھی وارد ہوا کہ مہر نہ دینے والا زانی ہے۔اس کے باوجود جب اس میں غلو ہونے لگا اور شادیوں میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی ،تو علماء کرام اس کی روک تھام کے لیے کوشاں ہوگئے۔جب ایک ثابت شدہ چیز میں حد سے آگے بڑھنا جائز نہیں ،تو جہیز جو ثابت ہی نہیں ،اس کی روک تھام کتنی ضروری ہے؟۔اہلِ عرب کا حد سے زیادہ مہر کا مطالبہ بھی غلط ہے،اسی طرح اہلِ پاکستان کا جہیز کا مطالبہ کرنا بھی غلط اور ناروا ہے۔

یہاں ایک فرق بھی ضرور کرنا چاہیے ،اہلِ عرب اگر مہر کی زیادتی کا مطالبہ کرتے بھی ہیں،شریعت سے وہ ثابت تو ہے نا،مگر ہم جس جہیز کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں،وہ اس انداز میں ثابت کیا ہوتا،الٹا علماءاسے ملعون رسم قرار دے چکے ہیں۔

مہر فاطمی:

حضور اکرم ﷺ نے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کا حق مہر ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی مقرر فرمایا۔ ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی کے پانچ سو درہم بنتے ہیں۔اور درہم چاندی کا ہوتا ہے اور ایک درہم تین ماشہ کے برابر ہوتا ہے،اس طرح پانچ سو درہم کا حساب تولہ ماشہ کے اعتبار سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی بنتی ہے۔یہ وزن مہرِ مسنون ہے اور اسے مہر فاطمی بھی کہتے ہیں۔لہٰذا ہو سکے تو یہ مسنون مہر سنت کی نیت سے مقرر کرنا اچھا ہے۔تاہم اگر اتنا مہر دینے کی حیثیت نہ ہو،تو مناسب مہر تجویز کریں،لیکن دس درہم سے کم نہ ہو۔

جہیز کو سنت سمجھ کر لینے والو:

حضور نبی کریم ﷺ کی طرف سے مقرر شدہ سنت حق مہر ۱۳۱ تولہ تین ماشہ چاندی ہے۔چاندی کا

ریٹ آٹھ سو روپے تولہ ہے، جس کی قیمت ایک لاکھ اڑتالیس سو روپے ہے۔ آپ سسرال والوں سے تین لاکھ روپے کا جہیز پیارے نبی کریم ﷺ کی میٹھی سنت سمجھ کر لے رہے ہو، تو جناب! ایک لاکھ اڑتالیس ہزار روپے کا حق مہر دینا بھی اسی پیارے نبی کریم ﷺ کی پیاری سنت ہے۔ لہٰذا آپ کھلے دل سے اس سنت پر بھی عمل کریں؛ ورنہ ہم یہ پوچھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ آخر ان دونوں سنتوں میں سے آپ نے جہیز والی سنت (جو کہ غلط فہمی ہے) تو قبول کر لی، جس میں آپ کا فائدہ ہے، اور ایک لاکھ اڑتالیس سو روپے (آج کل کے چاندی ریٹ کے مطابق) والی سنت سے آپ منہ موڑ رہے ہیں، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں صرف حق مہر دینے کا ہی تصور ہے؛ جس سے شدید غفلت برتی جا رہی ہے اور سارا بوجھ بچی کے والدین پر ڈال دیا گیا ہے۔ اللہ کے کچھ بندے ایسے پیدا ہو جائیں جو بوقتِ نکاح لاکھوں کا جہیز لینے والے دولہا صاحب کو ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی والی سنت کی یاد دہانی کرا دیا کریں تو خوب رہے گا۔

مہر کی کم از کم مقدار اور زیادہ کی حد:

شریعت میں کم از کم مہر کی مقدار دس درہم مقرر ہے جس کی مالیت دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی بنتی ہے۔ اور زیادہ کی شریعت میں کوئی حد مقرر نہیں، بس مہر اتنا ہی ہونا چاہیے کہ جس کو شوہر آسانی کے ساتھ ادا کر سکے اور اس کی نیت بھی ادا کرنے کی ہو۔ (جہیز لیتے وقت بھی ان شرائط کو ملحوظ رکھیں)

فخر کے طور پر زیادہ مہر مقرر کرنا:

مولانا عبدالرؤف سکھروی صاحب فرماتے ہیں:

> ''فخر کے طور پر اور دکھاوے کے طور پر، نمائش کے طور پر بڑی بڑی رقمیں جو مہر کے اندر مقرر کی جاتی ہیں، یاد رکھیے مقرر کرنے سے وہ واجب ہو جاتی ہیں۔ اور ریاء کاری کا گناہ الگ ہوتا ہے، اور ادا نہ کرنے کی نیت کا گناہ الگ ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر پانچ لاکھ مہر مقرر کریں گے، تو وہ واجب ہو جائے گا، اور پھر وہ ادا کرنا پڑے گا۔ اور اتنی بڑی مقدار اگر اس لیے مقرر کی تاکہ برادری میں میرا نام روشن ہو کہ فلاں کے مہر کی اتنی بڑی

رقم تھی کہ آج تک کسی کا اتنا مہر مقرر نہیں ہوا۔

یہ ریاء کاری اور دکھاوا ہو گیا۔اور ریا کاری حرام ہے ناجائز ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔گناہ بھی ہوا اور مقررہ مہر واجب بھی ہوا۔اور اگر پوچھیں کہ بھائی اتنا مہر کیوں مقرر کیا تو کہتے ہیں کہ دیتا کون ہے؟ نام ہو گیا ور کیا چاہیے۔

بیوی سے مہر معاف کرانا:

مرد ہو کر بیوی سے مہر معاف کرانا بڑی ہی بے غیرتی اور بے حیائی کی بات ہے۔ مردانگی تو یہ ہے کہ پانچ لاکھ مقرر ہو تو دس لاکھ ادا کرے بہادری تو اس کا نام ہے، نہ یہ کہ پانچ لاکھ مہر بندھوا لیا، اب پانچ ہزار دینے کی طاقت نہیں، اب بیوی سے معافی مانگ رہے ہیں کہ مہر بہت زیادہ ہے، شاید معاف کردے۔ یہ بات مردانگی اور غیرت کے خلاف ہے''۔ (اصلاحی بیانات :۳/)

حق مہر کے سلسلے میں ہونے والی کوتاہیاں:

حضرت مولانا محمد یوسُف لدھیانویؒ صاحب لکھتے ہیں:

''بیویوں کے حقوق میں سب سے پہلا حق مہر ہے، جو شوہر کے ذمہ لازم ہوتا ہے۔اس میں آج کل چند کوتاہیاں اور بے احتیاطیاں سرزد ہو رہی ہیں:

ا۔ایک کوتاہی لڑکی کے والدین کی طرف سے ہوتی ہے، کہ مہر مقرر کرتے وقت لڑکے کی حیثیت کا خیال نہیں رکھتے (جیسے لڑکے والے جہیز لیتے ہوئے ،لڑکی والوں کی حیثیت کا لحاظ نہیں رکھتے ،جیسی روح ویسے فرشتے: مرتب) بلکہ زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔لوگ زیادہ مہر مقرر کرنے کو فخر کی چیز سمجھتے ہیں، لیکن یہ جاہلیت کا فخر ہے.. .اگر مہر کا زیادہ ہونا شرف وسیادت کی بات ہوتی تو آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ کی بیٹیوں کا مہر زیادہ ہوتا۔حالانکہ آپ ﷺ نے اپنی کسی بیوی کا مہر پانچ سو درہم سے زیادہ مقرر نہیں کیا۔

پانچ سو درہم کی قیمت ایک سو اکتیس تولے اور تین ماشے چاندی بنتی ہے۔(آگے حضرت نے اُس وقت کے چاندی ریٹ کے مطابق ایک سو اکتیس تولہ چاندی کی

قیمت 6000 روپے لکھی ہے۔لیکن اب چاندی کا ریٹ آٹھ سو روپے تولہ ہے،جس کی قیمت ایک لاکھ اڑتالیس سو روپے ہے۔لہٰذا جو شخص مسنون مہر مقرر کرنا چاہتا ہے، تو اس کی قیمت 2018ء میں یہی ہے) اسی کو مہرِ فاطمی کہا جاتا ہے۔بعض اکابر کا معمول رہا ہے کہ اگر ان سے نکاح پڑہانے کی فرمائش کی جاتی تو فرماتے: اگر مہر فاطمی رکھو تو نکاح پڑھائیں گے،ورنہ کسی اور سے پڑھوا لو۔ الغرض مسلمانوں کے لیے آنحضرت ﷺ کا اسوہ حسنہ ہی لائق فخر ہونا چاہیے۔

آپ ﷺ سے بڑھ کر کس کی عزت ہے؟ گو،اس سے زیادہ مہر رکھنے میں کوئی گناہ نہیں،لیکن زیادتی کو فخر کی چیز سمجھنا،اس پر جھگڑے کھڑے کرنا جاہلیت کے جراثیم ہیں جن سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے۔

۲۔ ایک کوتاہی بعض دیہاتی حلقوں میں ہوتی ہے،کہ سوا بتیس روپے مہر کو ''شرع محمدی'' سمجھتے ہیں،حالانکہ یہ مقدار آج کل مہر کی کم سے کم مقدار بھی نہیں بنتی۔خدا جانے یہ غلطی کہاں سے چلی ہے؟لیکن افسوس کہ ''میاں جی'' صاحبان بھی لوگوں کو مسئلہ سے آگاہ نہیں کرتے (خود انہیں بھی پتہ ہو،تب تو بات بنے) جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم یعنی دو تولے اور ساڑھے سات ماشے چاندی ہے۔جس کے آج کے حساب سے بائیس سو روپے بنتے ہیں۔اس سے کم مہر مقرر کرنا صحیح نہیں ،اور اگر کسی نے اس سے کم مقرر کر لیا تو دس درہم کی مالیت مہر واجب ہوگا۔

۳۔ایک زبردست کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ مہر ادا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، بلکہ رواج یہی بن گیا ہے کہ بیویاں حق مہر معاف کر دیا کرتی ہیں۔یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ بیوی کا مہر بھی شوہر کے ذمہ اسی طرح کا ایک قرض ہے ؛جس طرح دوسرے قرض واجب الادا ہوتے ہیں۔ یوں تو اگر بیوی کل مہر یا اس کا کچھ حصہ شوہر کو معاف کر دے تو صحیح ہے،لیکن شروع ہی سے اسے واجب الادا نہ سمجھنا بڑی غلطی ہے۔

ایک حدیث میں ہے:''جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا (چاہے مہر کم ہو یا زیادہ

اور اس کے دل میں ادائیگی کا خیال نہ ہو تو اس نے عورت کو دھوکہ دیا۔ اور اگر وہ اسے ادا کیے بغیر مر گیا تو وہ اللہ کے سامنے زانی بن کر حاضر ہوگا''۔

۴۔ ہمارے معاشرے میں عورتوں کے لیے مہر لینا بھی عیب سمجھا جاتا ہے اور میراث کا حصہ لینا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے، اس لیے وہ چارونا چار معاف کر دینا ہی ضروری سمجھتی ہیں۔ (میرے تجربے میں یہ بات آئی ہے کہ عورتوں کو یہ علم ہی نہیں کہ حق مہر ہمارا لازمی حق ہے، اور ہمیں شریعت یہ بھی حق دیتی ہے کہ مہر کی ادائیگی میں انکار پر ہم شوہر کو صحبت سے بھی روک سکتی ہیں۔ بوڑھی عورتیں دلہنوں کو رخصتی کے وقت پٹی پڑھا دیتی ہیں کہ تمہارا شوہر تمہیں پیسے دے گا، نہ لینا، ورنہ اس کے دل سے تمہاری محبت نکل جائے گی۔ دلہن بیچاری اس ڈر سے لیتی ہی نہیں۔ جب مردوں کو مہر کی اہمیت کا اندازہ نہیں تو عورتوں کو کیا ہوگا؟: مرتب)

اگر معاف نہ کریں تو معاشرے میں ''نکو'' سمجھی جاتی ہیں۔ دین دار طبقے کا فرض ہے کہ اس معاشرتی برائی کو مٹائیں اور لڑکیوں کو مہر بھی دلوائیں اور میراث کا حصہ بھی دلوائیں۔ اگر وہ معاف کرنا چاہیں تو ان سے کہہ دیا جائے کہ وہ اپنا حق وصول کر لیں، اور کچھ عرصہ اپنے تصرف میں رکھنے کے بعد اگر چاہیں تو واپس لوٹا دیں، اس سلسلے میں ان پر قطعاً کوئی جبر نہ کیا جائے''۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۴۹/۵)

☆☆☆

فصل خامس:

رسمی شادی میں شرکت کا شرعی حکم

جب جہیز نیوتہ وغیرہ رسموں کا مُنکر (خلاف شرع) ہونا واضح ہوگیا،تو جن شادیوں میں یہ رسمیں ہوں،ان میں شرکت نہیں کرنی چاہیے۔کتبِ احادیث میں ولیمہ میں شرکت کی احادیث کثرت سے موجود ہیں،لیکن یہ ایک پہلو ہے۔دوسرا پہلو یہ ہے کہ منکرات کی وجہ سے شرکت کی اجازت نہیں۔امام بخاریؒ نے ولیمہ میں شریک ہونے والی احادیث لکھنے کے فوراً بعد ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے:''جب دعوت میں مُنکر (گناہ) ہو تو لوٹ جائے''۔

اس عنوان کے تحت امام بخاریؒ نے آثارِ صحابہؓ پیش کیے ہیں؛ جن میں ثابت کیا گیا ہے کہ منکرات کی وجہ سے صحابہ کرامؓ دعوت سے چلے آتے تھے۔کشف الباری میں ہے:

> ''حضرت ابن بطالؒ فرماتے ہیں:''کسی ایسی دعوت میں ،جہاں کوئی منکر (خلافِ شرع کام) ہو رہا ہو،شرکت نہیں کرنی چاہیے۔کیونکہ شرکت کرنے سے آپ کی طرف سے ان منکرات پر رضامندی کا اظہار ہوگا۔تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر وہاں کوئی امرِ مُنکر حرام کا ارتکاب ہو رہا ہو،جانے والا اس کے زائل کردینے پر قادر ہو،(وہ ختم کرا سکتا ہو)ایسی صورت میں وہاں جانے میں کوئی حرج نہیں۔لیکن اگر اس کو ختم کرنے پر وہ قادر نہ ہو،تو اس صورت میں لوٹ آنا چاہیے اور شرکت نہیں کرنی چاہیے''۔

(کشف الباری:کتاب النکاح:۳۰۰)

دعوتِ ولیمہ کے متعلق جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''**اذادعی احدکم الیٰ ولیمۃفلیاتھا**''۔''جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی دعوت دی جائے ،تو اسے چاہیے کہ وہ حاضر ہو''۔(بخاری،حدیث نمبر:۵۱۷۳)

ان جیسی احادیث کے تحت صاحبِ ''توضیح الاحکام'' لکھتے ہیں:

''ایسے ولیمہ میں شرکت جائز ہی نہیں ؛ جس میں کسی منکر (گناہ) کا ارتکاب کیا جائے، اور یہ شخص اس گناہ کے ختم کرنے پر قادر نہ ہو، جیسے: وہاں شراب پی جا رہی ہو، گانے بجانے ہوں، مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہو، دعوت میں فضول خرچی اور اظہارِ تکبر ہو، یا سودی کاروبار اور مالِ حرام سے کھانا تیار کیا گیا ہو (جیسے ہمارے علاقوں میں ولیمہ کے لیے گوشت ادھار میں لیا جاتا ہے اور سودی نیوتہ وصول کر کے ادائیگی ہوتی ہے) جب یہ اور ان جیسے دیگر امور جہاں بھی پائے جائیں، وہاں شرکت واجب تو در کنار؛ بل کہ حرام ہے۔

علامہ طیبیؒ (شارح مشکوٰۃ) نے شرح مشکوٰۃ میں ان اعذار کو بیان فرمایا ہے؛ جن کی وجہ سے دعوت کا قبول کرنا ساقط ہو جاتا ہے، ان میں سے یہ بھی ہے کہ کھانے میں حرام کا شبہ ہو یا فقراء کو نظرانداز کر کے اس دعوت کو محض اغنیاء کے لیے خاص کر لیا گیا ہو، یا وہاں تصویر بازی ہو''۔(توضیح الاحکام من بلوغ المرام: ۴۳۰/۳)

مَیں آج کے ولیمے دیکھتا ہوں، تو مذکور منکرات لازمی ہوتے ہیں، پھر احادیث وشروح میں مندرجہ بالا تصریحات پر نظر پڑتی ہے، تو شرکت کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی؛ لیکن پھر میری نظر صاحبِ علم لوگوں پر پڑتی ہے، جو بلا دھڑک ہر غیر شرعی شادی میں شریک ہو کر ان منکرات کو سندِ جواز فراہم کر رہے ہوتے ہیں، تو میں ششدر، رہ جاتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ یہ احکام آخر کس دور کے مسلمانوں کے لیے ہیں؟

مَیں انتہائی لجاجت کے ساتھ اصحابِ علم کی خدمت میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا یہ فرمان پیش کرتا ہوں:

''یاد رکھو! جو عالمِ حقانی ہوگا؛ وہ دین کے معاملہ میں کسی کی رعایت ہرگز نہ کرے گا، نہ کسی کی موافقت ومخالفت کی پرواہ کرے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے تمام دنیا پر لات مار دے گا۔ اگر سارا عالَم بھی اس کے خلاف ہو جائے، تب بھی وہ شریعت سے تجاوز نہ کرے گا، چاہے اس میں اس کی عزت ہو یا ذلّت ہو۔ بعض لوگ وہ ہیں جو بظاہر خود تو نیک اعمال کرتے ہیں اور گناہوں سے بچتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ان

لوگوں کے ناجائز کاموں میں بھی شریک رہتے ہیں، جواللہ کے نافرمان ہیں،محض اس خیال سے کہ یہ دنیا ہے،اس میں رہتے ہوئے برادری،کنبہ کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟ اور بعض لوگ وہ ہیں جوشریک تونہیں ہوتے ،مگر موجود ہوتے ہوئے ،دیکھ کر بھی ان کومنکرات کرنے والوں سے نفرت بھی نہیں ہوتی،ان میں شیر وشکر کی طرح ملے جلے رہتے ہیں۔ان سے کوئی پرہیز نہیں کرتے۔حاصل یہ کہ اپنے برتاؤ سے ان پر اظہارِ نفرت نہیں کرتے،ایسے لوگوں کے لیے خاموش رہنا خود معصیت (گناہ) ہے''

(دعوت وتبلیغ کے اصول وضوابط:۲۱۲،۱۵۱)

اب حضرات اکابر کی تائیدات ملاحظہ کریں:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ:

''جس کے یہاں شادی وختنہ میں رسوم وبدعات موجود ہوں،اس کے یہاں ہرگز شریک نہ ہو،نہ اس کے مکان میں،نہ دوسرے مکان میں۔اگر اپنے مکان پر کھانا بھیج دیویں،تو خوف فتنہ کا اگر نہ ہو،تو نہ لیوے'' (فتاویٰ رشیدیہ:۱۶۳)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

''ایک حدیث میں شرکت کرنے والوں کے لئے بھی صاف ممانعت وارد ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایسے دوشخصوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے جو باہم فخر کے لئے کھانا کھلاتے ہوں۔اور ظاہر ہے کہ ممانعت کی علت فخر اور ریاء کے سوا کچھ نہیں،تو ایسی تقریبات میں شرکت اس سے صراحۃً ممنوع ہوگئی جن میں دعوت وغیرہ سے فخر و ریاء کا قصد ہو''۔(اسلامی شادی:۱۷۷)

مولانا اشرف علی تھانویؒ کا رسمی شادی میں شرکت نہ کرنے کا قصہ:

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ارشاد فرمایا:

''میری علاتی ہمشیرہ (ماں شریک بہن) کی جوشادی ہوئی تھی،اس میں سب مروجہ رسوم ہوئی تھیں۔اس کا قصہ یہ ہے کہ اس کی والدہ کو عورتوں نے بہکایا،اور یہ کہا کہ: ''تمہاری ایک ہی بچی ہے،دل کھول کر شادی کرنی چاہیے۔اگر یہ اندیشہ ہے کہ میں

(حضرت تھانویؒ) شادی میں شرکت نہ کروں گا، تو نکاح میں تو شرکت ہو ہی جائے گی۔ اور جن رسموں کو برا کہیں گے، ان میں شرکت نہ کریں گے، نکاح تو سنت ہے، اس میں تو ضرور ہی شریک ہوں گے''۔

والدہ بیچاری بہکاوے میں آ گئیں۔ بارات آنے کا دن جمعہ کا تھا۔ میں نے جمعہ کی نماز جامع مسجد میں پڑھی اور باہر ہی باہر گاڑی میں بیٹھ کر بستی بھنیانی میں پہنچ گیا۔ یہاں پر کسی سے ذکر نہیں کیا، حتیٰ کہ گھر والوں تک کو بھی خبر نہیں کی۔ جب مغرب کا بعد ہوا، تب نکاح پڑھوانے کے لیے تلاش ہوئی، میں نہ ملا۔ صبح کو وہیں رہا، صبح دیر کر کے چلا، اس خیال سے کہ ایک بڑائی کی بھی صورت نہ دیکھوں۔ پھر تو میری شرکت نہ کرنے کی وجہ سے سارے خاندان نے توبہ کی، اور کہا کہ بڑی واہیات حرکت ہوئی، اب کبھی ایسا نہ کریں گے۔ جب سے اللہ تعالیٰ کا فضل ہے خاندان میں کبھی کوئی رسم نہیں ہوئی''۔(اسلامی شادی:١٣٦)

علامہ ابن النحاسؒ کا فتویٰ:

''شادی کے موقع پر عورتوں کا اجتماع؛ جس میں مرد وزن کی تمیز نہ ہو، ناجائز وبدعت ہے۔ جو شخص اس اجتماع کے ختم کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کے لیے اس مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں۔ ان مُنکرات کے ہوتے ہوئے شادی میں شریک نہ ہو، غیر شرعی اور رسمی شادیوں میں شریک ہونے والا عادل، فاسق ہو جائے گا۔ غیر محرم دلہن کو دیکھنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ مخلوط اجتماع اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے''۔

(تنبیه الغافلین عن اعمال الجاهلین:٣١٦)

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی رائے گرامی:

''شادی بیاہ کی تقریبات میں بے حیائی کے مناظر اب ان گھرانوں میں بھی نظر آنے لگے ہیں؛ جو اپنے آپ کو دین دار کہتے ہیں۔ جن کے مرد مسجد میں صف اول میں نماز پڑھتے ہیں، ان کے گھرانوں کی شادی بیاہ کی تقریبات میں جا کر دیکھو کہ کیا ہو رہا ہے؟ ایک زمانہ وہ تھا جس میں اس بات کا خیال اور تصور نہیں آ سکتا تھا کہ شادی بیاہ کی

تقریبات میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہوگا۔لیکن اب تو مرد وعورت کی مخلوط دعوتوں کا ایک سیلاب ہے اور عورتیں بن سنور کر، سنگھار پٹار کر کے زیب وزینت سے آراستہ ہو کر ان مخلوط دعوتوں میں شریک ہوتی ہیں۔ نہ پردہ کا کوئی تصور ہے نہ حیاء کا کوئی خیال ہے۔

اور پھر ان تقریبات کی ویڈیو فلمیں بن رہی ہیں تا کہ جو کوئی اس تقریب میں شریک نہیں ہوسکا، اس کیلئے نظارے سے لطف اندوز ہونے کے لئے ویڈیو فلم تیار ہے، اس کے ذریعہ وہ اس کا نظارہ کرسکتا ہے۔ یہ سب کچھ ہورہا ہے۔ لیکن پھر بھی دیندار ہیں، پھر بھی نمازی، پرہیزگار ہیں۔ یہ سب کچھ ہورہا ہے، لیکن کان پر جوں تک نہیں رینگتی اور ماتھے پر شکن نہیں آتی اور دل میں اس کو ختم کرنے کا داعیہ پیدا نہیں ہوتا۔

ان حالات میں بتائیے کیا پھر بھی فتنے نہ آئیں، کیا پھر بھی بدامنی اور بے سکونی پیدا نہ ہو؟ اور آج کل جو ہر ایک کی جان ومال، عزت وآبرو خطرے میں ہے یہ سب کیوں نہ ہو؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غنیمت ہے اور حضور اکرم ﷺ کی برکت ہے کہ ایسا قہر ہم پر نازل نہیں ہوتا کہ ہم سب ہلاک ہو جائیں ورنہ ہمارے اعمال تو سارے ایسے ہیں کہ ایک قہر اور ایک عذاب کے ذریعہ سب کو ہلاک کر دیا جاتا۔

ابھی پانی سر سے نہیں گزرا، اب بھی وقت ہاتھ سے نہیں نکلا، اب بھی اگر گھر کے سربراہ اور گھر کے ذمہ دار اس بات کا تہیہ کرلیں کہ یہ چند کام نہیں کرنے دیں گے: ہمارے گھر میں مرد وعورت کا مخلوط اجتماع نہیں ہوگا، ہمارے گھر میں کوئی تقریب عورتوں کی بے پردگی کے ساتھ نہیں ہوگی، ویڈیو فلم نہیں بنے گی۔ اگر گھر کے بڑے ان باتوں کا تہیہ کر لیں تو اب بھی اس سیلاب پر بند باندھا جا سکتا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے بائیکاٹ وغیرہ کے طریقے نہیں سکھائے، لیکن یاد رکھو ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جہاں انسان کو یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ یا تو ہماری یہ بات مانی جائے؛ ورنہ اس تقریب میں ہماری شرکت نہیں ہوگی۔

اگر تم پردہ نشین خاتون ہو اور وہ تم کو دعوت میں بلانا چاہتے ہیں، تو انہوں نے تمہارے لیے پردہ کا انتظام کیوں نہیں کیا ہے؟ ان سے صاف صاف کہہ دو کہ ہم ایسی تقریبات

میں شریک نہیں ہوں گی۔ جب تک کچھ خواتین ڈٹ کر یہ فیصلہ نہیں کریں گی، یقین رکھیے کہ اس وقت تک یہ سیلاب بند نہیں ہوگا۔ جس کے دل میں تمہارے پردے کا احترام نہیں، جس کے دل میں تمہارے پردے کی وقعت اور عظمت نہیں، وہ اگر تمہارا خیال نہیں کرتا تو تم ان کا خیال کیوں لاتی ہو؟

بہرحال ہم لوگ جو کم ازکم دین کا نام لیتے ہیں، جب اس کا عزم اور تہیہ نہیں کرلیں گے اس وقت تک یہ سیلاب نہیں رکے گا۔ خدا کے لئے اس کا عزم کرلیں ورنہ پھر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے لئے تیار رہیں۔(محاسن اسلام)

انڈیا کے علماء کا ایک مستحسن فیصلہ:

۷ جنوری ۲۰۱۴ء کے روزنامہ ''اسلام'' میں ایک ایسی خبر چھپی ہے، جو ہم سب کے لیے بالخصوص علماء کے لیے لائقِ تقلید ہے، خبر یہ ہے:

''بھارت کی ریاست بہار میں علماء کرام نے ایسے افراد کا نکاح پڑھانے سے انکار کردیا ہے؛ جس میں جہیز کا لین دین کیا جائے۔

پٹنہ سے جاری ایک خبر کے مطابق بہار کے ایک ضلع نالندہ میں علماء کرام کا ایک اہم اجلاس ہوا، جس میں جہیز جیسی لعنت کی حوصلہ شکنی اور عوامی بیداری کے لیے اہم فیصلہ کیا گیا۔ اجلاس کے بعد امارتِ شرعیہ کے سربراہ قاضی مولانا منصور عالم نے بتایا کہ ضلع نالندہ میں قاضی ایسا نکاح نہیں پڑھائیں گے؛ جس میں جہیز لیا یا دیا جارہا ہو۔ یہ جہیز لینے والوں کے لیے انتباہ اور ساتھ ہی ساتھ ایک طرح کا سماجی بائیکاٹ بھی ہے۔ اس پروگرام میں کامیابی کے بعد بہار کے تمام اضلاع میں اسے وسعت دی جائے گی''۔(روزنامہ :اسلام ،ملتان)

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، مہتمم ''دارالعلوم دیوبند'' کی رائے:

''آج اسلام کے نام لیواؤں میں مغربی تہذیب وتمدن، غیر اسلامی ثقافت و کردار اور عام بے بنیاد رسم ورواج اور بیجا عقائد وافکار کا اس قدر جال بچھتا جارہا ہے کہ عام بے فکرے مسلمانوں کا تو ذکر کیا، وہ دیندار، پرہیزگار پڑھے لکھے مسلمان؛ جو نماز، روزہ،

حج اورزکوٰۃ میں شریعت کے پورے متبع ،تہجد گزاراورذکراللہ میں مشغول رہنے والے ہیں،وہ جب کوئی تقریبی عمل انجام دیتے ہیں توان میں اورایک نرے جاہل میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا ہے۔

ان کے کردار،ان کے معاملات اوران کے شادی بیاہ میں کل طریقے وہی ہوتے ہیں جوغیراسلامی ہیں ،اور جوایک جاہل ،ان پڑھ اوراہل ہنود کے ہاں پائے جاتے ہیں،وہی رسم ورواج وہی فخر ومباہات وہی مغربی تہذیب وتخیلات اور وہی شگون و فال۔مگر چونکہ اسلام قیامت تک باقی رہنے والا ایسا عظیم الشان معجزہ ہے کہ دنیا میں کیسا ہی دور آئے ،کتنی ہی جہالت اورغفلت عام ہوجائے،حق پر قائم رہنا کتنا ہی مشکل اور دشوار ہوجائے ،ہر دور میں کچھ نہ کچھ اسلام پر چلنے والے اللہ کے بندے ساری مشکلات کا مقابلہ کرکے دین کی صحیح راہ پرقائم رہتے ہیں اور قائم رہنے کی تلقین کرتے ہیں‘‘۔(شادی اور شریعت)

حکیم العصر،استاذیم مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ کی رائے گرامی:

’’آپ حضرات جوکچھ علم پڑھ رہے ہیں،اس پرعمل کی پوری پوری کوشش کریں اورشریعت کے مقابلہ میں کسی سے مغلوب نہ ہوں،اورکسی قسم کی رورعایت نہ رکھیں۔آج کل دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ فاضل ہونے کے بعد،مختلف رسمیں ان کے پاس ہورہی ہیں؛لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

جب ان سے کہاجائے،تو کہتے ہیں کہ’’ کیا کریں؟ والد، چچایاہمارے بڑے نہیں مانتے،اس لیے مجبوراًان کے ساتھ چلنا پڑتا ہے‘‘۔ بھائی!یہ توعلم کی توہین ہے۔آپ کا فرض بنتا ہے کہ اپنے گھروں میں بدعات ورسوم کوروکیں۔اگر وہ نہیں رکتے تو کم ازکم آپ اس کا حصہ نہ بنیں،ورنہ علم کومغلوب اور جہالت کوغالب کرنے والوں میں سےہوجائیں گے‘‘۔(مجالسِ حکیم العصر:٩٤)

آج ہماراسب سے بڑاالمیہ یہ ہے کہ ہمارے اندرسے جائزوناجائز کی تمیزاٹھ گئی ہے۔ہرکوئی مخلوق کوراضی کرنے کی فکر میں ہے،خالق کی پرواہ بہت کم لوگوں کو ہے۔حضرات علماء

کرام اگر مل کر فیصلہ کرلیں کہ ہم سب کسی غیر شرعی تقریب کا حصہ نہیں بنیں گے،تو کہیں جا کر ان باطل رسوم کا قلع قمع ہو سکے گا۔

آج سگے بھائی سے دنیاوی جھگڑا ہو جائے،تو اس کے ساتھ بول چال،شادی بیاہ تک ختم ہو جاتے ہیں؛لیکن اللہ تعالیٰ کے واضح احکامات کی خلاف ورزی کرنے والے،خلافِ سنت ولیمہ کرکے اس کے عوض میں سود لینے والے،لڑکے لڑکیوں کو بے پردہ کرکے فحاشی کا موقع دینے والے،جب ہمیں شادی کی دعوت دیتے ہیں،تو ہم بے دھڑک ان کی محفل کی زینت بن جاتے ہیں۔

نیوتہ صاف سود ہے،اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:''اگر تم سودی کاروبار سے باز نہیں آتے، تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ''۔(البقرہ)لیکن ہم شادی کے موقع پر اس سودی کاروبار کرکے،اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے والوں کی شادی میں شریک ہوکر اپنے اللہ کو راضی کر رہے ہیں یا ناراض؟اگر قیامت والے دن اللہ تعالیٰ نے پوچھ لیا کہ انہوں نے علانیہ بغاوت کرتے ہوئے،میری نافرمانی کی،آپ بھی ان کے ساتھ شریک رہے؟ رسمی شادیوں میں شریک ہونے والے ان سوالات کے جواب تیار رکھیں۔صرف ان تقریبات میں شریک ہوں؛جو طریقِ سنت کے موافق ہوں۔

مولانا محمد الیاس گھمن صاحب مدظلہم کا ایک قابلِ تقلید اقدام:

حضرت مولانا الیاس گھمن صاحب اپنی بیٹی کا نکاح بالکل سنت کے مطابق سادہ انداز میں کرکے علماء کرام کے لیے ایک مثال بن گئے ہیں۔اگر تمام علماء کرام ہی اپنے بچوں کی شادیاں سنت کے موافق کرنے لگ جائیں،تو معاشرے میں ان شاء اللہ تعالیٰ بہت ہی مثبت اثر پڑے گا۔مولانا صاحب نے بیٹی کے نکاح کے موقع پر فرمایا:

> ''میں نے بیٹی کا نکاح اجتماع پر قصداً رکھا ہے۔میں نے رشتہ ایک طالب علم کو دیا ہے؛جو مالدار نہیں ہے۔بہت غریب ہے۔میں نے اس کی دولت کو نہیں دیکھا،اس کے تقویٰ کو دیکھا ہے۔میری اس بیٹی کے لیے بڑے بڑے امیر گھروں سے بھی رشتے آئے ہیں؛لیکن میری خواہش ہے کہ ہماری بیٹیاں علماء کے نکاح میں

ہوں۔نہ ہم نے منگنی کی رسم کی ہے،نہ ہم نے بیٹی کا جہیز دیا ہے،نہ ہم نے بارات کا تقاضا کیا ہے۔اور میں بیٹی کو چھوڑنے خود ان کے گھر جاؤں گا۔کل میں گھر والوں سے کہہ رہا تھا کہ اگر میں اپنے سب دوستوں کو مدعو کروں؛تو گھر کا برآمدہ ہدیوں سے بھر جاتا۔میں نے اس کو قربان کر دیا ہے،تا کہ نبی کریمﷺ کی مبارک سنت زندہ ہو۔اگر ہم ہی سنت پر عمل نہ کریں گے،تو کون کرے گا؟میں نے پورے خاندان میں سے کسی کو بھی نکاح کے لیے دعوت نہیں دی،کسی ایک کو بھی۔کیوں؟اس لیے کہ خاندان کے (سبھی)لوگوں کو بلا کر نکاح کرنا سنت نہیں ہے۔بس سنت یہ ہے کہ ایجاب وقبول ہو،اعلان ہو،گواہ بیٹھے ہوں ؛تا کہ پتہ چلے کہ ان کا آپس میں نکاح ہوا ہے۔

ہم نے اسی کا اہتمام کیا ہے۔خاندان کو بھی پتہ چل جائے گا،جو ہم سے محبت کرتے ہیں،وہ خوش ہوں گے۔محسوس نہیں کریں گے،بل کہ کہیں گے کہ آپ نے سنت کا لحاظ کیا ہے۔میں نے اپنی بیوی ،بیٹی اور چھوٹے بھائی مولانا خبیب سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ میرا ساتھ دیں۔ہم سنت کے موافق سادہ نکاح کریں؛تا کہ لوگوں کے لیے آسانی ہو۔میرے لیے دس ہزار بندے بلا لینا کیا مشکل ہے؟میں خاندان کے بندے بلاتا،چار پانچ کھانے اس میں رکھتا،پھر یہاں نکاح کر کے بیٹی کو رخصت کرتا۔تو میں نے گھر والوں سے کہا کہ میں طلباء سے کیسے کہوں گا کہ سادہ نکاح سنت ہے؟اپنے مریدین سے کیسے کہوں گا کہ سادہ نکاح سنت ہے؟وہ کہیں گے کہ استاد جی!آپ کے پاس تو پیسے تھے،آپ نے کر لیا۔ہم غریبوں کے لیے ہی سادہ نکاح سنت رہ گیا ہے؟۔ہماری بیٹیاں نبی کریمﷺ کی بیٹیوں کے قدموں پر قربان۔جب نبی ریمﷺ کی بیٹیاں بغیر کسی رسم کے محض ایک عورت کی ہمراہی میں رخصت ہوسکتی ہیں؛تو کیا میری بیٹی سونے چاندی کی بنی ہوئی ہے کہ جب تک دس کاریں نہ آئیں،تو اس کی رخصتی نہ ہو سکے؟''۔

فصل سادس:

شادی یوں بھی ہوتی ہے

سادگی کے ساتھ شادی کرنے کے چند واقعات پیش خدمت ہیں۔اور یہ واقعات دو قسم کے ہیں، ابتدائی کچھ واقعات جناب رسول اللہ ﷺ اور حضرت صحابہ کرامؓ کی شادیوں کے ہیں۔ان کے بعد کچھ واقعات حضرات اکابرؒ اور پھر موجودہ دور کے لوگوں کے ہیں، تاکہ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اب زمانہ بدل گیا ہے، اب ان پرانے طریقوں کے مطابق شادی کرنا اور رسم ورواج کی مخالفت کرنا ممکن نہیں۔ان کے لئے یہ دلیل بن سکے کہ دیکھو اب بھی اس دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کی نظروں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی اہمیت دنیا کے رسم ورواج سے زیادہ ہے۔

ان واقعات کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم نے اپنی طرف سے شادی بیاہ کے موقع پر جن رسوم ورواج کو لازم کرلیا ہے کہ جب تک یہ رسوم ادا نہ ہوں شادی ہو ہی نہیں سکتی ان کی تردید کرنا مقصود ہے، کہ شریعت میں ان رسوم ورواج کی گنجائش نہیں، بلکہ ان کی پابندی کیے بغیر بھی شادی کا مقدس فریضہ سرانجام پا سکتا ہے۔

آپ لوگ جب اپنی یا اپنی اولاد کی شادی کرنے لگیں، تو شادی کے ان واقعات پر ایک نظر ضرور ڈال لیں، ان میں سے جس شادی کا قصہ آپ کو اچھا لگے، آپ بالکل اسی طرح شادی کرکے شادمانی حاصل کریں۔اگر آپ نے ایسا کرلیا، تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگ گئی ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو باعمل مسلمان بنائے، آمین۔

سرورِ کائنات ﷺ کی حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ سے شادی

جب حضرت خدیجہؓ فوت ہوگئیں تو حضرت خولہ بنت حکیمؓ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے کہا:

''اے اللہ کے رسول! آپ شادی نہیں کریں گے؟''۔آپ نے جوب دیا:''کس سے؟'' خولہ نے جواب دیا:''ایک رشتہ کنواری کا ہے اور ایک بیوہ کا، کنواری ایک ایسے شخص کی بیٹی ہے؛ جس کا باپ اللہ کی ساری مخلوق میں سے آپ کو سب سے زیادہ پیارا ہے۔اس سے میری مراد عائشہؓ ہے۔اور بیوہ سے مراد زمعہ کی بیٹی سودہؓ ہے''۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''پھر جاؤ اور میرے لیے دونوں رشتے مانگو''۔

چنانچہ حضرت خولہؓ حضرت ابوبکرؓ کے گھر چلی گئی اور ان کی بیوی سے کہا:''اے ام رومانؓ! کیا نصیبے ہیں تمہارے کہ اللہ نے تم پر خیر و برکت برسادی ہے''۔ام رومانؓ نے کہا:''وہ خیر و برکت کیا ہے؟'' حضرت خولہ نے جواب دیا:''مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے عائشہؓ کے رشتے کے لیے بھیجا ہے''۔حضرت ام رومانؓ نے کہا:''تھوڑی دیر انتظار کرلو، ابوبکرؓ کو آنے دو''۔

اب ابوبکرؓ بھی آ گئے۔حضرت خولہؓ نے ان سے بھی وہی بات کی جو وہ ان کی اہلیہ سے کر چکی تھیں۔حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا:''کیا یہ رشتہ اللہ کے رسول ﷺ کے لیے درست بھی ہے؟ کیونکہ عائشہؓ، محمد کریم ﷺ کے بھائی کی بیٹی ہیں''۔اب حضرت خولہؓ، اللہ کے رسول ﷺ کی طرف لوٹ گئیں اور آپ ﷺ کے سامنے وہ بات رکھی جو حضرت ابوبکرؓ نے کہی تھی۔یہ بات سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت خولہؓ سے کہا:''واپس ابوبکرؓ کے پاس جاؤ اور جا کر انھیں میری طرف سے کہو:''میں آپ کا بھائی ہوں اور آپ میرے بھائی ہیں، ہم اسلامی بھائی ہیں (حقیقی نہیں) لہٰذا آپ کی بیٹی میرے لیے جائز ہے''۔

اب حضرت خولہؓ واپس جناب ابوبکرؓ کی طرف گئیں اور انھیں جا کر اللہ کے رسول ﷺ کی بات سے آگاہ کیا۔درمیان میں ایک رکاوٹ تھی؛ جسے فوراً دور کیا گیا۔حضرت ابوبکرؓ نے خولہؓ سے کہا: ''جایئے اور اللہ کے رسول ﷺ کو میری طرف سے''ھاں'' کر دیجئے''۔چنانچہ حضرت خولہؓ گئیں اور جناب رسول اللہ ﷺ کو بلا لائیں۔حضرت ابوبکرؓ نے آپ کا نکاح حضرت عائشہؓ سے کر دیا۔نکاح مکہ میں ہوا، رخصتی مدینہ میں جا کر ہوئی۔

حضرت خولہؓ ایک کام مکمل کرنے کے بعد اب دوسرے کے لیے نکل کھڑی ہوئیں، اور سودہ بنت زمعہؓ کے پاس جا پہنچیں۔وہاں جا کر بھی انہوں نے وہی جملہ دہرایا کہ اللہ نے تمہارے لیے

خیر و برکت کے دروازے کھول دیے ہیں۔حضرت سودہؓ نے پوچھا:''کون سے خیر و برکت کے دروازے؟''حضرت خولہؓ نے کہا:''مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے بھیجا ہے کہ میں آپ کو شادی کا پیغام دوں''۔حضرت سودہؓ کہنے لگیں:''مجھے پسند ہے؛مگر تم میرے باپ کے پاس جاؤ اور ان سے بات کرو''۔

چنانچہ حضرت خولہؓ ان کے پاس گئیں۔وہ بوڑھے بزرگ پوچھنے لگے:''یہ عورت کون ہے؟''۔ان کو بتلایا گیا کہ یہ حکیم کی بیٹی خولہؓ ہیں۔ان سے زمعہ پوچھنے لگے:''کس مقصد کے لیے آنا ہوا؟''۔حضرت خولہؓ نے کہا:''مجھے محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے بھیجا ہے کہ میں سودہؓ کا رشتہ مانگوں''۔زمعہ کہنے لگے:''وہ تو لطف و کرم کی عمدہ مثال ہیں۔تیری یہ سہیلی (سودہ) کیا کہتی ہے؟''۔خولہؓ نے کہا:''اسے تو یہ (رشتہ) پسند ہے''۔زمعہ کہنے لگے:''سودہؓ کو ذرا میرے پاس بلاؤ''۔وہ آئیں تو تو زمعہ اپنی بیٹی سے کہنے لگے:

''بیٹی! یہ خولہؓ کہہ رہی ہیں کہ محمد ﷺ نے انہیں بھیجا ہے کہ وہ تیرا رشتہ مانگ رہے ہیں۔کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ میں تیری شادی ان سے کردوں؟''۔حضرت سودہؓ نے کہا:''جی ہاں''۔اب زمعہ کہنے لگے کہ محمد ﷺ کو بلایئے۔چنانچہ رسول کریم ﷺ تشریف لے آئے اور زمعہ نے سودہؓ کی شادی آپ ﷺ سے کردی۔

(مسنداحمد:٦/٢١٠،حیاۃ الصّحابہ:٢/٧٢٤)

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے پیارے نبی ﷺ کی اتباع نصیب فرمائیں، آمین ثم آمین۔

سرورِ کائنات ﷺ کی حضرت امّ سلمہؓ سے شادی

حضرت امِ سلمہؓ فرماتی ہیں:''جب میری عدت پوری ہوگئی،تو حضرت ابوبکرؓ نے مجھے شادی کا پیغام بھیجا،میں نے انہیں انکار کردیا۔پھر حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو شادی کا پیغام دے کر میرے پاس بھیجا۔میں نے کہا کہ:''اللہ کے رسول ﷺ کو بتادو کہ مجھ میں غیرت کا مضمون زیادہ ہے،اور میرے بچے بھی ہیں،اور میرا کوئی سرپرست یہاں موجود نہیں ہے''۔

نبی کریم ﷺ نے ان کو جواب بھجوایا کہ:''میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ تمہاری مصیبت کو دور کردیں۔تم نے جو کہا ہے کہ میرے بچے بھی ہیں،تو اللہ تعالیٰ تمہارے بچوں کی کفالت کے

لیے کافی ہیں ۔تم نے جو کہا ہے کہ میرا کوئی سرپرست یہاں موجود نہیں ہے،تو تمہارا کوئی موجود یا غیر حاضر سرپرست ناراض نہیں ہوگا''۔

اس پر حضرت امّ سلمہؓ نے اپنے بیٹے عمرؓ سے کہا:''اٹھو!میری شادی اللہ کے رسول ﷺ سے کردو''۔چنانچہ اس نے میری شادی آپ ﷺ سے کردی''۔(سنن نسائی شریف:٦٨/٢)

سرورِ کائنات ﷺ کی حضرت صفیہؓ سے شادی

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:''جب ہم نے خیبر پر قبضہ کرلیا اور قیدی ایک جگہ اکٹھے ہوگئے،تو اس دوران حضرت دحیہ کلبیؓ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے:''اے اللہ کے نبی!قیدیوں میں سے مجھے بھی ایک لونڈی عطاء فرمادیجیے!''۔آپ ﷺ نے فرمایا:''جاؤ ایک لونڈی لے لو''۔

دحیہؓ نے حیی کی بیٹی صفیہؓ کو پسند کرلیا۔اس کے بعد چند لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ان میں سے ایک شخص نے کہا:''اے اللہ کے نبی!آپ نے حیی کی بیٹی صفیہؓ،دحیہؓ کے حوالے کردی،وہ تو بنو قریظہ کے سردار کی بیٹی ہے۔وہ آپ کے علاوہ کسی کے لیے مناسب نہیں ہے''۔یہ سن کر آپ ﷺ نے دحیہؓ اور صفیہؓ کو بلایا۔آپ ﷺ نے دحیہؓ سے فرمایا:''قیدی عورتوں میں سے تم اس کے علاوہ کوئی اور لونڈی لے لو''۔اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے صفیہؓ کو آزاد کرکے ان سے نکاح کرلیا''۔(بخاری:٤٠/٧۔کتاب النکاح)

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہا آپ ﷺ خیبر سے چل کر مقام''صہباء''میں پہنچے تو حضرت صفیہؓ حیض سے پاک ہوگئیں،اس مقام پر قیام کرکے آپ ﷺ نے ان سے خلوت فرمائی۔دیکھیے!جناب رسول اللہ ﷺ کے ہاں شادی کتنی آسان ہے کہ آپ نے مدینہ پہنچنے کا بھی انتظار نہیں کیا۔سفر کے دوران ہی ایک جگہ قیام کرکے شادی کرلی۔صرف یہی ایک حدیث شادی کی تمام مروّجہ رسوم کے رد کے لیے کافی ہے۔

سرورِ کائنات ﷺ کی حضرت زینبؓ سے شادی

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت زینبؓ کی عدت پوری ہوگئی تو حضور ﷺ نے حضرت زیدؓ کو فرمایا کہ جاؤ اور زینبؓ سے میرے نکاح کا تذکرہ کرو۔حضرت زیدؓ گئے،تو وہ اس

وقت آٹے میں خمیر ڈال رہی تھیں۔

حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا: ''زینبؓ! تمہیں خوشخبری ہو، مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے، وہ تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں''۔ حضرت زینبؓ نے کہا: ''میں جب تک اپنے رب سے مشورہ نہ کرلوں، اس وقت تک میں کوئی کام نہیں کیا کرتی''۔ یہ کہہ کر وہ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ چلی گئیں۔

ادھر رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا؛ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "زوجنٰکھا" ''ہم نے تمہاری شادی زینبؓ سے کردی''۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے چونکہ سیدہ زینبؓ آپ ﷺ کی بیوی بن گئیں تھیں، اس وجہ سے حضور ﷺ ان سے اجازت لیے بغیر اندر چلے گئے۔

(مستدرك حاكم: ٤/٢٠، بحواله: حياة الصحابه: ٧٣١)

حضرت ربیعہ اسلمیؓ کی شادی

حضرت ربیعہ اسلمیؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم شادی نہیں کرتے؟ میں نے کہا: ''جیسے آپ ارشاد فرمائیں''۔ آپ نے فرمایا: ''انصار کے فلاں قبیلے میں چلے جاؤ اور ان سے کہو کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے۔ حضور فرمارہے ہیں کہ تم میری شادی فلاں عورت سے کردو''۔

میں نے وہاں جاکر ان لوگوں کو جناب رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اور ان کے قاصد کو خوش آمدید۔ اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کا قاصد اپنی ضرورت پوری کرکے ہی جائے گا''۔ چنانچہ انہوں نے میری شادی کردی اور میرے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا معاملہ کیا۔

وہاں سے واپس آکر میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! میں ایسے لوگوں کے پاس گیا؛ جو بڑے سخی اور بااخلاق ہیں۔ انہوں نے میری شادی کردی اور میرے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا معاملہ کیا؛ لیکن اب میرے پاس مہر دینے کے لیے کچھ نہیں ہے''۔ حضور ﷺ نے بریدہ اسلمیؓ سے فرمایا: ''اس کے لیے کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا جمع کرو''۔

چنانچہ انہوں نے کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا جمع کیا۔ میں نے وہ سونا ان لوگوں کی خدمت

میں پیش کیا کہ یہ اس عورت کا مہر ہے۔انہوں نے اسے قبول کیا اور بڑے خوش ہوئے اور کہا کہ یہ تو بہت زیادہ اور پاکیزہ ہے۔پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے میرے ولیمے کا انتظام کرایا۔ایک صحابی نے مینڈھا عنایت کیا،جو آپ ﷺ نے اپنے گھر سے مہیا کیا،یوں میرا ولیمہ ہوا۔اس ولیمہ میں آپ ﷺ بھی تشریف لائے۔(حیاۃ الصحابہ:۷۳۳/۳)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی شادی

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ حضرت سلمان فارسیؓ کے ساتھ قبیلہ بنولیث کی ایک عورت سے حضرت سلمانؓ کی شادی کا پیغام دینے گئے۔حضرت سلمانؓ کو باہر بٹھایا اور خود اندر جا کر حضرت سلمانؓ کے فضائل اور ان کے شروع میں مسلمان ہونے اور اسلام لانے کے واقعات تفصیل سے بیان کیے۔اور انہیں بتایا کہ سلمانؓ ان کی فلاں عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔

ان لوگوں نے کہا:حضرت سلمانؓ سے تو نہیں؛البتہ آپ کے ساتھ شادی کرنے کے لیے تیار ہیں۔چنانچہ اس لڑکی سے وہ نکاح کر کے باہر آئے۔باہر آ کر حضرت سلمانؓ سے کہا:''اندر کچھ بات ہوئی ہے؛لیکن اسے بتاتے ہوئے مجھے شرم آرہی ہے''۔بہر حال حضرت ابوالدرداءؓ نے انہیں ساری بات بتادی۔یہ سن کر حضرت سلمانؓ نے کہا:''وہ تو مجھے آپ سے شرمانا چاہیے، کیونکہ میں اس لڑکی کو شادی کا پیغام دینے آرہا تھا،جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے مقدر میں لکھی ہوئی تھی''۔(ابو نعیم فی الحلیہ:۱۸۵/۱۔حیاۃ الصحابہ:۷۴۷/۲)

<u>فائدہ:</u> تاریخِ اسلام میں شادی کا آسان واقعہ اس کے علاوہ شاید اور کوئی نہ ہو۔اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے،کہ حضراتِ صحابہ شادی بیاہ کے سلسلے میں کسی قسم کے لین دین میں نہ پڑتے تھے۔وہاں صرف حق مہر اور ایجاب وقبول کی اہمیت تھی۔

حضرت بلالؓ اور ان کے بھائیؓ کی شادی

حضرت بلالؓ اور ان کے بھائی نے یمن کے ایک گھرانہ میں اپنی شادی کا پیغام دیا۔حضرت بلالؓ نے یوں فرمایا:''مَیں بلالؓ ہوں،اور یہ میرا بھائی ہے۔ہم دونوں حبشہ کے غلام ہیں۔ہم گم راہ تھے،اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی۔

اگر آپ لوگ ہم دونوں کی شادی کردیں گے،تو الحمدللہ!یعنی ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں

گے۔اگرنہیں کروگے ،تواللہ اکبر،یعنی اللہ تعالیٰ بہت بڑے ہیں ،وہ کوئی اور انتظام کردیں گے،آپ لوگوں سے کوئی شکایت نہ ہوگی''۔ان لوگوں نے اسی وقت دونوں بھائیوں کی شادی کردی۔(حیاۃ الصحابہ :۲/۲۵۰)

شیخ الحدیث،حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی شادیوں کے حسین واقعات

حضرت شیخ الحدیثؒ کی پہلی شادی:(تبلیغی نصاب ''فضائل اعمال'' آپ ہی کی تصنیف ہے)

حضرت شیخ اپنی پہلی شادی کی روئیداد ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:

''میرے والد صاحبؒ کے انتقال کے کچھ دنوں بعد میری والدہ مرحومہ نے میرے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ:''میری طبیعت خراب ہے،زندگی کا کوئی اعتبارنہیں ۔میری خواہش یہ ہے کہ زکریا کا نکاح جلد ہوجائے؛تاکہ گھر کھلا رہے''۔حضرت سہارنپوریؒ نے اسی وقت (میرے سسرال)کاندھلہ خط لکھوادیا.

میرے حضرت کا خط جاتے ہی وہاں سے جواب آیا کہ''جیسا ارشاد ہو،جب چاہے تشریف لائیں''۔(حضرت نے)تاریخ مقرر فرمادی،اور میرے ہم زلف ظہیر الحسن کا بھی میرے ہمراہ نکاح تجویز کردیا...یہ ناکارہ ،چچاجان مولانا الیاسؒ ،مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت کے دوخادم،یہ جملہ بارات کاندھلہ پہنچی۔میرے حضرت نے نکاح پڑھایا''۔(آپ بیتی: ۱/۲۷۳)

حضرت شیخ الحدیثؒ کی ہمشیرہ کی شادی:

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ مدرسہ''مظاہرِ علوم سہارن پور''میں مدرس تھے،ان کے رشتہ دار کاندھلہ میں رہتے تھے۔حضرت کی ہمشیرہ کی شادی وہیں ہونی تھی۔چنانچہ حضرت لکھتے ہیں:

''(میرے ہونے والے بہنوئی ملازمت سے چھٹی پر کاندھلہ آئے ہوئے تھے)میں نے کاندھلہ خط لکھ دیا۔میرے خط پر میرے نانا کے حقیقی بھائی حافظ محمد یونسؒ یعنی دلہا کے والدان (دلہا) کو اپنے ساتھ لے کر سہارن پور پہنچ گئے۔نہ کوئی بارات ساتھ

تھی نہ کوئی اور آدمی۔ میرے مرشد حضرت سہارن پوریؒ کو اس زمانہ میں تکلیف تھی ، مدرسہ میں تشریف نہیں لاتے تھے، یہ ناکارہ جماعت کرانے حضرت کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔مغرب کی نماز کے وقت جب مَیں پہنچا،تو میں نے عرض کیا:''حضرت! ہمشیرہ کا مجوزہ شوہر عصر کے بعد آ گیا ہے،اس وقت نکاح پڑھ دیں تو صبح کو کاندھلہ (شہر) بہن کو لے جائے''۔

حضرت نے اسی وقت نکاح پڑھا دیا۔ میں ، چچا جان اور حضرت کے ایک دو خادم چار پانچ آدمی تھے۔نکاح کے بعد صبح کو ہمشیرہ کو ان کے خاوند کے ساتھ بھیج دیا۔نہ کچھ سامان ساتھ تھا، نہ کپڑے نہ برتن۔میری والدہ نے کچھ برتن پہلے سے رکھے تھے اور کچھ کپڑے بھی۔اس وقت تو کچھ نہیں دیا گیا،البتہ بعد میں حسبِ ضرورت وہ لے جاتی رہی۔

جب وہ سسرال والوں سے علیحدہ ہوکر اپنے مستقل مکان میں مقیم ہوئی،اس وقت میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ گھر کے سامان میں سے کھانے پکانے کا ہو،استعمال کا ہو، جو تیرا جی چاہے، لے جاؤ''۔(آپ بیتی: ٢٧٦/١)

بانی تبلیغی جماعت،مولانا الیاس کاندھلویؒ کے دو بیٹوں کی شادیاں:

مولانا الیاسؒ کے بیٹے؛مولانا محمد یوسفؒ اور مولانا انعام الحسنؒ،حضرت کے بعد جماعت کے امیر بنے۔ یہ دونوں مدرسہ مظاہر علوم میں حضرت مولانا زکریاؒ کے ہاں بغرضِ تعلیم مقیم تھے۔ مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر مولانا الیاسؒ نے حضرت شیخ الحدیثؒ سے (جو مولانا کے بھتیجے اور مذکورہ دونوں لڑکوں کے ہونے والے سسر تھے) پوچھا:''ہمارے یہاں میوات میں جلسوں میں نکاحوں کا دستور پڑ گیا ہے۔کل کے جلسے میں مولانا حسین احمد مدنیؒ سے یوسف وانعام کا نکاح پڑھوا دوں؟''

حضرت شیخ نے جواب دیا:''شوق سے ضرور پڑھوا دیجیے، مجھ سے کیا پوچھنا''۔چنانچہ حضرت مدنیؒ نے دورانِ تقریر ہی نکاح پڑھ دیا۔(آپ بیتی:۲۷۸/۱)حضرت شیخ نے رسم و رواج کے برعکس برادری کو جمع کیے بغیر انتہائی سادگی کے ساتھ نکاح کیے،تو برادری نے طعن وتشنیع

کے تیر برسائے۔ چنانچہ حضرت شیخ لکھتے ہیں:

''(یہ طریقہ نکاح) چونکہ خاندان کی روایت کے خلاف تھا، اس لیے (آبائی شہر) کاندھلہ میں بھی اس نکاح پر بہت چہ میگوئیاں ہوئیں۔ ایک صاحب کا یہ فقرہ مجھے پہنچا کہ ''زکریا نے اپنی بھی ناک کاٹ دی اور ہم سب کی بھی۔ بھلا نکاح یوں ہوا کرتے ہیں؟''

مَیں نے اس کا جواب اہتمام سے بھیجا کہ ''میری تو کٹی نہیں، اور میں نے قاصد سے کہا کہ تو بھی ہاتھ لگا کر دیکھ لے۔ اور (ان سے) یہ کہہ دیجیے کہ میں دیکھ کر آیا ہوں، ان کی تو کٹی نہیں اور کسی کی مجھے خبر نہیں''۔

البتہ گھر کی مستورات کی طرف سے خوشیوں کے، مسرتوں کے، دعاؤں کے پیامات پہنچے کہ: ''اللہ! تمہیں بہت ہی جزائے خیر دے، بہت ہی اچھا راستہ نکال دیا، اللہ کرے یہ چل پڑے، شادیاں تو مصیبت بن گئیں۔ سودی قرض تک سے بھی اب تو پرہیز نہ رہا؛ جس کی عام طور لوگوں کو بھی خبر نہیں ہوتی، مگر بھائی زکریا! سچی بات یہ ہے کہ بعض بعض گھروں میں تو شادی کی لعنت سے سود تک بھی گھر میں گھس گیا، اللہ تمہیں جزائے خیر دے''۔

نکاح کے ایک سال بعد مدرسہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر حضرت مولانا الیاسؒ تشریف لائے۔ ان کے متعلق حضرت شیخ لکھتے ہیں:

''چچا جانؒ نے ارشاد فرمایا: ''خیال یہ ہے کہ کل کو جاتے وقت یوسف وانعام کی بیویوں کو لے کر جاؤں''۔ (یاد رہے کہ حضرت محض جلسہ کے لیے آئے، اس موقع پر اپنی بہوؤں کو لے جانے کی خواہش ظاہر کی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان حضرات کے ہاں بارات اور برادری کے اجتماع کی طرف ہرگز کوئی توجہ نہ تھی۔) میں نے کہا: ''جیسے رائے عالی ہو، مگر لڑکے تو دونوں یہاں پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی بناء (شوہر سے ابتدائی ملاقات) تو ان ہی (یعنی صدیق اکبرؓ) کے گھر میں ہوئی تھی۔ میرا خیال یہ ہے کہ ان دونوں لڑکوں کی بناء یہاں ہی کرا دیں''۔ چچا جانؒ نے فرمایا: ''بہت اچھا''۔

میں نے ۱۲ربیع الاول ۱۳۵۵ھ کو عصر کے وقت بچیوں سے کہہ دیا کہ اپنی بہنوں کو کپڑے پہنادو، رات کو ان کی یہیں رُخصتی ہے۔ مولانا یوسفؒ کو اپنے کمرے میں اور مولانا انعام الحسنؒ کو کچے گھر میں تجویز کیا۔ مقدر کی بات کہ خوب بارش ہوئی ، اوپر مولانا یوسفؒ خوب بھیگے کہ وہ چھجے کے نیچے تھے۔ چونکہ عزیزان یوسف وانعام یہیں پڑھتے تھے، اس وجہ سے لڑکیوں کے (یوسف وانعام کے آبائی گھر) نظام الدین (دہلی) جانے کا سوال ہی نہیں تھا۔ میرے گھر ہی میں شبِ جمعہ کو دونوں کی چارپائیاں علیحدہ علیحدہ بچھوادی جاتیں۔ جب سال کے ختم پر وہ حضرات اپنے گھر دہلی گئے، اپنی اپنی بیویوں کو چچاجانؒ کی معیت میں ساتھ لے گئے''۔

(آپ بیتی: ۲۷۸/۱)

حضرت شیخ الحدیثؒ کی دوصاحبزادیوں کی شادیاں:

حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنی دوصاحب زادیوں کے نکاح اپنے دوعزیزوں :سعیدالحسن اورحسن کے ساتھ کیے۔سعیدالرحمٰن حضرت ہی کے پاس مظاہرِ علوم میں زیرِتعلیم تھا؛ جب کہ حسن تعلیم کی غرض سے ''دارالعلوم دیوبند'' میں مقیم تھا۔ ان دونوں کی شادیاں بھی لائقِ تقلید ہیں۔ ان شادیوں کے مختصر احوال حضرت شیخ الحدیثؒ کی زبانی سنئے:

''میں نے حسن کے ہاتھ ایک دستی پرچہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی خدمت میں لکھا کہ '' دوبچیوں کے نکاح کا خیال ہورہا ہے۔ جس دن سہارن پور کی طرف تشریف لانا ہو، حاملِ عریضہ حسن کو ساتھ لیتے آویں''۔ چنانچہ ۱۹ربیع الاول ۱۳۶۵ھ کو حضرت مدنیؒ تشریف لائے۔ حسن بھی ساتھ تھا۔ سعیدالرحمٰن تو پہلے سے ہی یہیں تھا۔

عصر کے بعد نکاح ہوگیا اور مغرب کے بعد ماشاءاللہ شادی کی دعوت بھی ہوگئی۔ کسی کو بلانا تو یادنہیں، ویسے حضرت مدنیؒ کی وجہ سے اِدھراُدھر کے احباب جمع ہو ہی گئے۔ سعیدالرحمٰن تو سہارنپور میں پڑھتا تھا اور میرے ہی گھر قیام تھا، اس لیے اسی دن عشاء کے بعد اس کی بناء تو میرے ہی گھر میں ہوگئی۔ دوسرے دن حسن کے ساتھ اس کی

بیوی کو کاندھلہ بھیج دیا گیا۔اس سے کہہ دیا کہ جمعہ تک کاندھلہ میں قیام کرے، جمعہ کے دن (اپنی دلہن) کو یہاں چھوڑ تا جائے،خود (پڑھنے کے لیے) دیوبند چلا جائے۔اس کے بعد ہر شبِ جمعہ میں دیوبند سے آتا رہتا تھا'' (آپ بیتی: ۲۸٤/۱)

حضرت شیخ الحدیثؒ کی دوسری شادی:

حضرت شیخ اپنی دوسری شادی کی کہانی ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

''میں نے اپنی پہلی اہلیہ مرحومہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی سے بہت ہی شدت سے انکار کر دیا تھا۔ بلا مبالغہ بیس پچیس جگہوں سے بہت ہی تقاضے ہوئے،جن میں سے بعض کے متعلق حضرت مدنیؒ نے بھی سفارش فرمائی؛مگر میں اپنی معذوریوں کی وجہ سے شدت سے انکار کرتا رہا؛لیکن چچا جان مولانا الیاسؒ نے ہمشیرہ مولوی یوسُف (یعنی اپنی بیٹی) کے متعلق فرمایا،تو پھر مجھے انکار کی کوئی گنجائش نہ رہی،اور میں نے کہا کہ پھر نکاح پڑھتے جایئے۔

انہوں نے کہا:....میں دو تین دنوں میں خط لکھوں گا،اس پر تم میرے ہاں (نظام الدین دہلی) چلے آنا۔حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی تشریف آوری (میرے پاس) تو بار بار ہوتی رہتی تھی،(میں نے ان کو اس دوسرے نکاح کی بابت کچھ نہیں بتایا) لیکن معلوم نہیں حضرت کو کس طرح سے علم ہوگیا۔حضرت کے متعدد (رشتہ دار) لڑکے اس زمانہ میں یہاں پڑھتے تھے۔حضرت رائے پوریؒ کو جب چچا جان کی ابتدائی گفتگو کا علم ہوا،تو انہوں نے مجھ سے بہت اصرار سے ارشاد فرمایا کہ:''مَیں ضرور چلوں گا''۔

میں نے عرض کیا کہ میں لے کر نہیں جاؤں گا۔حضرت نے بار بار اصرار فرمایا۔میں نے عرض کیا:''حضرت ہم لوگوں کو بارات وغیرہ کے قصہ سے اور زیادہ احتیاط برتنی چاہیے،کہ بہت ہی زیادہ حد سے اسراف ہونے لگا ہے''۔حضرت نے ارشاد فرمایا کہ:''میں باراتی بن کر تھوڑا ہی جاؤں گا،آپ کا خادم بن کر جاؤں گا''۔میں نے پھر بھی قبول نہیں کیا۔حضرت کے بھانجے مولوی عبدالرحمٰن میرے

یہاں پڑھتے تھے۔حضرت نے ان کوتا کیدفرمائی کہ بہت اہتمام سے خبر رکھیں ،اور جس دن مولانا الیاسؒ کا خط بلانے کا آجاوے،فوراً مجھے اطلاع کریں۔ مجھے (حضرت رائے پوریؒ اور عبدالرحمٰن کی اس گفتگو) بھی خبرنہیں ہوئی۔

چچاجان کا خط آنے پر میں نے تجویز کیا کہ کل ۱۰ بجے کی گاڑی سے چلا جاؤں ،کسی کو لے جانے کا ارادہ نہیں تھا۔نہ کسی باراتی کو نہ کسی خادم کو۔مگر علی الصبح حضرت رائے پوریؒ تشریف لے آئے۔ میں نے عرض کیا کہ'':میں اس گاڑی سے روانگی ملتوی کردوں؟'' حضرت نے فرمایا:''مجھے بھی واپسی کا تقاضا نہیں ،دوچار دن ٹھہرنے میں اشکال نہیں''۔لیکن چچاجان تحریرفرما چکے تھے کہ دس بجے کی گاڑی سے آجانا،اسٹیشن پرسواری مل جائے گی۔یہ ناکارہ ،حضرت رائے پوریؒ اور ان کے دوخادم اسٹیشن پر پہنچے۔

اسی گاڑی سے جس پرہم لوگ سوار ہونے کا ارادہ کررہے تھے،حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ٹانڈہ سے تشریف لارہے تھے،اسٹیشن پرملاقات ہوئی۔حضرت مدنیؒ یہ سمجھے کہ ان حضرات کومیری آمد کی اطلاع ہوئی ہے،اور میرا مستقل معمول تھا کہ جب حضرت مدنیؒ کی آمدکی اطلاع ہوتی تو اسٹیشن پرضرورحاضرہوتا۔حضرت مدنیؒ نے ہم دونوں کودیکھ کرارشادفرمایا کہ:''اچھا!میری اطلاع کس طرح ہوئی؟'' حضرت کے ارشادپرقبل اس کے میں کچھ کہوں ،حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا کہ:''حضرت (آپ) کی آمدکی اطلاع تونہیں تھی،اِن حضرت کا نکاح ہورہا ہے(اورہم اسی لیے دہلی جارہے ہیں)''۔

حضرت نے عتاب آمیزلہجہ میں فرمایا:''ہمیں خبربھی نہیں کی؟''۔حضرت رائے پوریؒ نے ارشادفرمایا کہ''انہوں نے مجھے بھی خبرنہیں کی ،اورساتھ لے جانے سے صاف انکارکردیا کہ میں نہیں لے جاتا۔ میں نے توجاسوس مقررکررکھا تھا کہ جب مولانا الیاسؒ کا خط آئے تومجھے فوراً اطلاع ہوجائے۔کل شام مجھے اطلاع ہوئی،صبح ہی حاضرہوگیا''۔

حضرت مدنیؒ نے حضرت رائے پوریؒ کے ہاتھ چچاجانؒ کے پاس پیام بھیجا کہ:''

مولوی الیاسؒ سے کہہ دیں کہ نکاح میں پڑھوں گا۔ میرے بغیر نکاح نہ ہوگا۔ میں تو اسی گاڑی سے چلتا،مگر مستورات بھی ساتھ ہیں ،ان کو اتار کر اگلی گاڑی سے آجاؤں گا''۔ میں نے اول تو رد کیا کہ حضرت تکلیف نہ فرمائیں،ایک ڈانٹ اور پڑی:''میں آپ سے نہیں کہہ رہا، میں مولوی الیاسؒ کے پاس پیام بھیج رہا ہوں کہ نکاح میں پڑھوں گا''۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ:''حضرت! پھر حرج نہ فرماویں، جب آپ کو سہولت ہو تشریف لے آویں''۔حضرت نے فرمایا:''میں شام کو آجاؤں گا''۔حضرت مدنیؒ شام کی گاڑی سے دہلی پہنچ گئے....اگلے روز جمعہ کے بعد اس سیاہ کار کا نکاح بمہرِ فاطمی پڑھا۔

حضرت مدنیؒ تو اسی وقت شام کو ۵ بجے واپس تشریف لے آئے،اور بندہ مع اہلیہ اور حضرت رائے پوری مع خدام اتوار کی صبح کو ۴ بجے کی گاڑی سے چل کر ساڑھے آٹھ بجے سہارن پور پہنچے۔ ہم سب کا کرایہ حضرت رائے پوریؒ نے دیا اور اپنی طرف سے ولیمہ کا اعلان فرمایا، جس کو راؤ یعقوب علی خان نے عملی جامہ پہنایا''۔

(آپ بیتی: ۱/۲۸٦)

تبلیغی جماعت کے امیرِ ثانی، مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی دوسری شادی:

جب مولانا کی پہلی اہلیہ فوت ہوگئیں،تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے ان کو دوسری شادی نہ کرنے کی ترغیب دی، کیونکہ تبلیغی مشاغل بہت بڑھ گئے تھے۔اور یہ بھی فرمایا کہ اگر نکاح کا تقاضہ ہو تو جہاں بھی کہو، میں آپ کے لیے بات کرنے کے لیے تیار ہوں۔مولانا یوسفؒ نے جواب دیا کہ نکاح کرنا ہے تو صرف آپ کے ہاں کرنا ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے نے فرمایا:''میرے پاس اس وقت دو لڑکیاں ہیں،ایک بیوہ،ایک کنواری۔ بیوہ سعید الرحمٰن کی بیوی؛ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے''۔عزیز یوسف نے کہا:''میرے لیے دونوں برابر ہیں''۔ میں نے کہا: اگر واقعی تمہارے نزدیک دونوں برابر ہیں،تو میرے نزدیک بیوہ کو ترجیح ہے،اس لیے کہ وہ غم زدہ ہے۔شادی کے بعد جلد ہی اس کے خاوند کا انتقال

ہوگیا''۔مولانا یوسف نے کہ بہت مناسب ہے۔

اس بات کے کچھ عرصہ بعد مولانا حسین احمد مدنیؒ یہاں سہارنپور میں تشریف لائے اور عزیز کا نکاح پڑھایا۔نکاح کے دوسرے دن مولانا یوسُف اپنی اہلیہ کو لے کر نظام الدین دہلی چلے گئے''۔(آپ بیتی: ۲۸۹/۱)

حضرت شیخ الحدیثؒ کی پانچویں صاحبزادی کی شادی:

سہارن پور کے اندر ایک دینی گھرانہ آباد تھا؛ جس کے سربراہ حکیم ایوب صاحبؒ تھے۔حکیم صاحب اپنے بیٹے مولانا حکیم الیاس کے لیے مولانا زکریا صاحبؒ سے رشتہ مانگ چکے تھے؛لیکن مولانا نے ابھی حامی نہ بھری تھی، جب مولانا یوسف کا نکاح ہونے لگا،تو آپ نے حکیم ایوب کو بلا کر فرمایا:

''عزیز یوسف کا نکاح عصر کے بعد پڑھوانے کا خیال ہے،اور حکیم الیاس کے متعلق تم بہت دفعہ کہہ چکے ہو،اب تو میں نے بھی ارادہ کر ہی لیا۔عزیز الیاس سے کہہ دیں کہ عصر کی نماز مدرسہ قدیم میں پڑھے۔تمہیں اپنا اختیار ہے اور کسی کو اطلاع نہ کرنا۔حضرت مدنیؒ نے دونوں کا نکاح پڑھایا۔

عزیز حکیم الیاس کے نکاح سے ایک ماہ بعد مَیں (یعنی مولانا زکریاؒ) نے عشاء کے بعد جب سب سونے کے لیے لیٹ گئے،اپنی بچیوں سے کہا:''الیاس کی گھر والی کو چائے پلا دینا،میرا خیال ہے کہ اذان پر میں خود (دلہا کے گھر) پہنچا دوں گا''۔

حکیم ایوب کے پاس آدمی بھیجا،وہ سونے کے لیے لیٹ چکے تھے،میں نے مولوی عبدالمجید کے ہاتھ ان کو کہلوا بھیجا کہا''اذان کے وقت مَیں مولوی الیاس کی گھر والی کو لے کر آجاؤں گا۔گھر والوں سے کہہ دو کہ اذان کے وقت کوئی زنجیر کھٹکھٹاوے تو نام پوچھ کر دروازہ کھول دیں''۔

حکیم جی کا جواب آیا کہ:''مجھے تو انکار نہیں،مگر تجھے اس وقت دقّت ہوگی۔اگر اجازت دے تو میں اور الیاس ایک رکشہ لے کر اس کو لے آویں،اور کسی کو خبر نہ ہوگی''۔چنانچہ صبح کو اذان کے بعد حکیم جی اور الیاس رکشہ لے کر آگئے،اور عزیزہ کو..لے کر چلے

گئے۔خودان کے گھر والوں کو بھی صبح کی نماز کے بعد پتہ چلا کہ بیگم صاحبہ گھر میں آ گئی۔

میرے ایک مخلص دوست حاجی نورالٰہی پندرہ بیس روز سے روزانہ دریافت کرتے تھے، کہ میرے گھر والے بہت اصرار کررہے ہیں ،اللہ کے واسطے میرے گھر والوں کوضرورخبرکریں،اورکسی کوکریں یانہ کریں۔

مرحوم اس زمانہ میں صبح کی چائے میرے پاس پیا کرتے تھے، میں نے صبح کی چائے میں ان سے کہہ دیا کہ وہ تو چلی گئی (یعنی دلہن رخصت ہوگئی) پہلے سے کہنے کا موقع نہ ہوا۔مرحوم کو بڑاافسوس ہوا،اپنے گھر جا کرکہا:''وہ جا،لی (یعنی دلہن اپنے گھر چلی گئی)اب تم شور مچاتی رہو'۔(آپ بیتی: ۲۹۱/۱)

حضرت شیخ الحدیثؒ کی آخری صاحبزادی اورصاحبزادہ مولانا طلحہ کی شادیاں:

مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے ان شادیوں کی کہانی یوں بیان فرمائی ہے:

''دوسری اہلیہ کی دولڑکیاں اورایک لڑکا عزیزطلحہ ہے۔دونوں بچیوں میں سے بڑی لڑکی کے متعلق حکیم ایوب صاحب نے عزیزعاقل کے متعلق کئی دفعہ تحریک کی۔میں نے کہا کہ وہ تمہارے قابل نہیں۔اس کے بعدایک صاحب نے میرے ذریعہ اپنے بہن کا پیام عزیزعاقل کے لیے دیا،میں نے حکیم ایوب صاحب سے پیام بھی پہنچایااوسفارش بھی زوردے کرکی۔حکیم ایوب صاحب نے کہا کہ جب تک آپ کی اس بچی کا کہیں نکاح نہ ہوگا؛میں عاقل کا کہیں نکاح نہ کروں گا۔جب آپ کی بچی کا کہیں ہوجائے گا،تو میں اس کے لیے بھی تلاش کرلوں گا۔ان دنوں عزیزمولوی یوسُف مرحوم کا عمرہ پرجانے کا خیال ہوا۔

انہوں نے مجھے لکھا کہ عمرہ پرجانا ہے،خیال یہ ہے کہ جانے سے پہلے ہارون وطلحہ کا نکاح ہوجائے۔میں نے لکھ دیا:جب چاہے،آجاؤ۔اور چونکہ حضرت رائے پوریؒ کی طبیعت ناسازتھی،اس لیے یہ تجویزہوا کہ عزیزیوسف کی گاڑی میں ہم سب رائے پور چلے جاویں،وہیں ان دونوں کا نکاح پڑھ دیا جائے۔

ظہر کی نماز میں مَیں نے حکیم ایوب سے کہا کہ ہارون وطلحہ کے نکاحوں کی تجویز ہورہی

ہے،ہم لوگ اس وقت رائے پور جارہے ہیں ۔میرا خیال ہے کہ عزیز عاقل کو بھی ساتھ لیتے جائیں ،جب آپ کا اصرار ہے تو اس کا بھی پڑھوادیں۔(دوسرے دن)حضرت رائے پوریؒ کی موجودگی میں ،حضرت ہی کے حجرہ میں مولانا یوسفؒ نے تینوں کا نکاح پڑھ دیا۔(اگلے دن)مولانا یوسُفؒ کار میں ہارون کی اہلیہ کورخصتی کر کے دہلی لے گئے۔

عزیز طلحہ کی رخصتی ۱۳۸۳ھ میں ہوئی، جب کہ ہم لوگوں کا سفرِ حج طے ہو گیا تھا۔اس ناکارہ نے مولانا یوسف کو لکھ دیا کہ جب تم سہارن پور آؤ،تو راستہ سے (طلحہ کی دلہن) کو لیتے آنا،چنانچہ وہ لے آئے۔(مذکورہ نکاح ۷اذی الحج ۱۳۸۱ھ کو ہوئے)چند ماہ بعد ۱۱ رجب کو...جب میں مغرِب کی نماز کو جارہا تھا،مَیں نے عزیزان ہارون وطلحہ سے کہا کہ مجھے تو مغرب کے بعد (نوافل کی وجہ سے)دیر لگتی ہے،تُم مغرب کی نماز پڑھتے ہی اپنی بہن کو حکیم جی کے یہاں پہنچادینا....یہ دونوں عزیز عاقل کی اہلیہ کو میرے مسجد میں آنے سے پہلے وہاں پہنچا کر آ گئے ۔اگلے دن حکیم جی نے مختصر سا ولیمہ کر دیا''۔(آپ بیتی: ۲۹۲/۱)

فائدہ: یہ لوگ حقیقی محبّ رسول اور متبع سنت تھے،چنانچہ یہی وجہ ہے کہ دورِ رسالت کی شادیوں اوران کی شادیوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔اتباعِ سنت ہی کی برکت ہے کہ آج ان کی کتاب ''فضائلِ اعمال'' دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی دینی اردو کتاب ہے۔آپ گہری نظر سے دیکھیں کہ ان شادیوں میں برادری کا اجتماع،شادی کی تاریخ مقرر کرنے کے لیے تقریب،منگنی کے بعد عیدی کے نام پر چیزوں کے تبادلے،دلہن کو لانے کے لیے سینکڑوں لوگوں پر مشتمل بارات،رسمِ مہندی اور جہیز جیسی رسوم کا نام ونشان تک بھی موجود نہیں ہے۔اسی لیے ان کی شادیاں خیر وبرکت کا سرچشمہ تھیں۔

شادیوں کے یہ واقعات لکھ کر آخر میں حضرت شیخ لکھتے ہیں:

''شادیاں تو اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے،اس کے فضل واحسان سے ساری ایسی سہولت اور آسانی کے ساتھ ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ دوستوں کو بھی نصیب فرمائے،جہیز کا قصہ بھی کسی کے ساتھ پیدا نہ ہوا''۔(آپ بیتی: ۲۹۶/۱)

شیخ المشائخ حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کی شادی

حضرت مفتی صاحبؒ اپنی شادی کا احوال سناتے ہیں کہ:

''بارات میں صرف حضرت والد صاحبؒ، مَیں اور میرے چھوٹے بھائی تھے؛ جس کی عمر اس وقت دس سال تھی، گویا بارات میں بشمول دولہا ڈھائی آدمی تھے۔ جیسی سادگی بارات میں تھی ویسی ہی سسرال والوں کی طرف بھی، بالکل سادگی کے ساتھ نکاح ہوگیا۔ (حضرت نے اپنی اولاد کی شادیاں بھی نہایت سادگی کے ساتھ کیں۔ (تفصیل کے لیے کتاب ''انوارالرشید'' کا مطالعہ کریں) (انوار الرشید: ۱/ ۲۲۰)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی صاحبزادی کی شادی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنی بڑی صاحبزادی کا عقد جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد کر دیا تھا، نہ لڑکی کی ماں کو خبر کی نہ کسی خاندان والے کو اطلاع دی۔ فقط لڑکی کو جمعہ کے لیے جاتے وقت اجازت کے طور پر کہہ گئے تھے۔ داماد کو کہلوا دیا تھا کہ نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ جانا۔ اسی طرح مسجد میں چار پانچ بزرگوں کو جو، ان کے ہم مشرب تھے، اُن کو ٹھہرالیا۔ جب سب لوگ جمعہ پڑھ کر چلے گئے، تو ان آٹھ دس آدمیوں کے سامنے نکاح کرا دیا اور رخصتی کر دی گئی۔

(معارف و حقائق: ۱٤۱)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی شادی

مولانا لطف اللہ پشاوریؒ ان کی شادی کا قصہ ان الفاظ میں لکھا ہے کہ:

''جب مولانا بنوریؒ کے والد ماجد کی کابُل سے واپسی میں غیر معین تاخیر ہوگئی، تو مولانا عبدالحق نافعؒ کے مشورہ سے طے پایا کہ مولانا کا نکاح اب بہر صورت ہونا چاہیے۔ وہ عجیب وغریب رات مجھے نہیں بھولتی؛ جب مولانا کی بیٹھک میں مولانا کا نکاح پڑھایا گیا۔ مولانا، خود دلہا تھے، اور خود ہی دوسری طرف سے وکیل تھے، خود ہی نکاح خواں تھے۔ مَیں اور مولانا عبدالحق گواہ تھے۔

شادی کے لیے اور اہتمام تو کیا ہوتا، کوئی جوڑا بھی نہیں بنایا گیا، نہ دلہا کے لیے اور نہ ہی

دلہن کے لیے،بس بدن کے پہنے ہوئے کپڑے ہی ''جامہ عروسی'' تھے۔گھر میں دوسیر چاول تھے،وہی پکائے کھائے گئے،یہ مولانا کا ولیمہ تھا۔گھر میں ایک چارپائی سالم تھی اورایک ٹوٹی ہوئی۔سوائے ہم دونوں کے کسی کوشادی کا پتہ بھی نہ چلا۔یہ مولانا یوسف بنوریؒ کی شادی کانقشہ،جن کی رحلت پر پوراعالمِ اسلام سوگوار ہوا''۔

(ماهنامه بينات بنوری نمبر:۲۸)

استاذ نا المکرّم حضرت مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی مدظلہم کی شادی

حضرت استاذ جی دامت برکاتہم نے مجھ سے ارشادفرمایا:

''مَیں نے اپنے نکاح کی تقریب میں اپنے استاذحضرت مولانامفتی محمدصدیق صاحب کوبلایا۔وہ نکاح سے ایک دن قبل تشریف لائے۔دوسرے دن فجر کی نماز کے بعداستاذِمحترم نے پوچھا:نکاح ہونہ جائے؟ہم نے عرض کیا:جی ہاں۔چنانچہ جوحضرات موجود تھے ،ان کی موجودگی میں نکاح پڑھادیا گیا،شام کورخصتی بھی ہوگئی۔نہ اجتماع نہ منگنی اورنہ ہی دعوتی کارڈ،بس جواحادیث میں پڑھا،ہم نے اسی کوکافی سمجھا۔اگلے دن انتہائی سادگی کےساتھ ولیمہ ہوگیا''۔

(کراچی سے شائع ہونے والے اصلاحی ہفت روزہ''خواتین کا اسلام'' کی انتظامیہ نے ان مسلمان بہنوں کواپنی شادی کی داستانیں لکھ کربھیجنے کی درخواست کی؛جن کی شادیاں سنت کے موافق انجام پائیں،اوران کی زندگی اللہ تعالیٰ کےفضل وکرم سے خوبصورت گزررہی ہے۔ان ہی واقعات میں سے چندایک ہم نے آپ کے لیےمنتخب کیے ہیں۔)

ا۔سادگی ہی میں سکون ہے:(اہلیہ،قاری جمیل الدین اختر)

چندسال قبل کراچی میں دارالعلوم کورنگی سےتقریباًایک کلومیٹر کے فاصلے پرایک گھر میں نکاح کی تقریب تھی،لیکن کسی کوکانوں کان خبر نہ تھی۔کوئی ڈھولک نہ چراغاں، نہ کوئی ہلہ گلہ اور نہ مہمانوں کارش۔دولہا،ان کے والداورایک تایاجی لاہور سےنکاح کیلئےتشریف لائے ہیں،جمعہ کادن ہے۔جمعہ کی اذان ہوئی،نمازدارالعلوم کورنگی میں ادا کی گئی۔

نماز سے فراغت پرنکاح ہوا،کچھ چھوہارے بانٹے گئے،گھر واپس پہنچنے پر پانی وغیرہ پیا۔

دولہا اوران کے والد حیدرآباد روانہ ہوگئے، کیونکہ دولہا آرمی میں سروس کرتے تھے،ان دنوں وہ حیدرآباد چھاؤنی میں تھے۔یہ تھی نکاح کی تقریب جو اتنی سادگی سے ہوئی کہ ہمسایوں کو بھی خبرنہیں ہوئی۔شاید اللہ پاک کو اس سادگی پر پیار آ گیا کہ اسی سال کوئی اسباب نہ ہونے کے باوجود دولہا کو حج بیت اللہ کی سعادت عطا فرمائی۔

رخصتی کا بھی ایک عجیب ہی انداز تھا، دولہا نے پیغام بھیجا کہ میں فلاں دن کراچی دولہن کو لینے کے لیے پہنچ رہا ہوں،لیکن جہیز نام کی کسی چیز کی تیاری نہیں کرنا،اگر آپ نے ایسا کیا تو میں نہیں لوں گا۔لوگ کہتے ہیں شادی بہت مشکل ہے،مگر یہاں تو بیوہ عورت کو اپنی بیٹی کی شادی کی کوئی فکر نہیں ہے۔طے شدہ تاریخ کو دولہا لاہور سے اکیلے ہی تشریف لائے، نہ کوئی دوستوں کا ریلہ، نہ کوئی اور کروفر، دوسرے دن لاہور واپسی ہوگئی۔

دلہن جب سسرال پہنچی سب لوگ حیران رہ گئے کہ آسانی کے ساتھ سب کچھ ہو گیا۔واقعی یہ ہے سکون والی شادی۔سلامی وغیرہ کیلئے دولہن کو ایک مشکل مرحلے سے گزارا جاتا ہے،مگر یہاں ایسا کچھ نہیں ہوا۔اپنے وقت پر نمازیں ادا ہوئیں۔یہ شادی جس کی روداد آپ کے سامنے ہے کسی اور کی نہیں میری اپنی شادی تھی۔اس سادہ سی شادی کے بعد زندگی کتنی پرمسرت گزر رہی ہے،اس کو میں الفاظ میں نہیں بیان کر سکتی۔

الحمدللہ! آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں طرح طرح کی آسائشوں سے نوازا ہے۔اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سب کچھ ہونے کے باوجود ہماری بچیاں ماڈرن ماحول سے ذرا بھی متاثر نہیں اور نہ ہی کسی فیشن کے دلدادہ ہیں،سادگی پسند ہیں۔،بس سادگی میں جو لطف وسکون ہے وہ کسی فیشن اور رسوم ورواج کو پورا کرنے میں نہیں ہے۔میری تمام قاریات سے گزارش ہے کہ سادگی کو اپنائیں اور خوشیاں لوٹیں۔(خواتین کا اسلام۔ شمارہ : ۱۱۸)

۲۔بابرکت شادی: (بشریٰ یحییٰ)

میرے ماموں جج ہیں ان کا صرف ایک ہی بیٹا ہے،انہوں نے سی ایس ایس کیا ہوا ہے اور ایک اچھے آفیسر ہیں۔دوسرے والدین کی طرح ماموں کی بھی شدید خواہش تھی کہ وہ اپنے اکلوتے لختِ جگر کی شادی خوب دھوم دھام سے کریں گے۔خوبصورت خوبرو نوجوان بیٹے کو دیکھ کر ماموں

کا سیروں خون بڑھ جاتا اور ساتھ ہی ان کی خواہشات شدت اختیار کر جاتیں۔ بیٹے کی بڑھتی ہوئی ترقی کو دیکھ کر ماموں کو اپنی خواہش پوری کرنے کا خیال آیا، انہوں نے اپنے بیٹے سے اس خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے فرمانبرداری سے سر جھکا دیا۔ ماموں بہت خوش ہوئے، انہیں اپنے بیٹے سے یہی توقع تھی۔ ''ابو جان! میری بھی کچھ خواہشیں ہیں'' اس نے نظریں نیچی کرتے ہوئے کہا۔ ''بیٹا! ایک نہیں ڈھیروں خواہشیں ہوں'' ماموں خوش ہوتے ہوئے بولے۔

جب اس نے بتایا تو ماموں تھوڑا ناراض ہوئے۔ ''یہ خواہشیں تو نہ ہوئیں بلکہ یہ شرائط ہوئیں'' ماموں نے کہا۔ ماموں کے کہنے کے مطابق اس کی شرائط یہ تھیں: لڑکی سادہ ہو، نیک اور باپردہ ہو، نکاح سادگی کے ساتھ ہو اور جہیز بھی نہ ہو۔ ماموں نے یہ شرائط خصوصاً دوسری تیسری شرط ماننے سے انکار کر دیا۔ بیٹے نے باپ کی ناراضگی کو دیکھ کر خاموشی اختیار کر لی۔

ماموں کو یہ انتظار رہا کہ شاید یہ میری بات مان لے گا۔ انہوں نے ممانی سے بھی کہا کہ وہ بیٹے کو سمجھائیں، انہوں نے بیٹے سے کہا تو اس نے جواب دیا: ''میں نے کون سی آپ کی بات پوری کرنے سے انکار کیا ہے، صرف تین باتیں کہی تھیں، اگر ابو جان ایسا کر سکتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں مجبور ہوں''۔ بیٹے کی اس بات سے ماموں بھی سوچنے لگے کہ آخر کیا وجہ ہے جو میرا بیٹا اتنے نازوں، مال و دولت میں پلنے کے باوجود ایسی سوچ رکھتا ہے۔

بیٹے کے سمجھانے پر آخر ماموں بخوشی رضامند ہو گئے۔ لڑکی کی تلاش شروع ہوئی زیادہ وقت نہیں لگا، لڑکی دیکھنے کے لیے ماموں اور ممانی گئے، لڑکی پسند آ گئی۔ اسی مہینے کی ۲۴ تاریخ کو شادی طے پائی، یعنی صرف ایک ہفتے کے بعد۔ اس کی خواہش کے مطابق ماموں، چھوٹے ماموں اور لڑکی کی خالہ ساتھ گئے۔ دلہا کی اپنی وسعت کے مطابق سونا حق مہر مقرر ہو گیا۔ دلہن نے ٹوپی والا برقعہ، مہرون رنگ کا شادی والا جوڑا، ناک میں باریک نازک سا کوکا پہنا ہوا، ہونٹوں پہ لپ اسٹک کی بجائے داتن، آنکھوں میں سرمہ اور حیاء کی جھلک تھی۔

میں نے آج تک بہت ساری دلہنوں کو دیکھا ہے، لیکن جو خوبصورتی اس کے چہرے پر نظر آئی میں نے کہیں اور نہیں دیکھی، میں یہ سب دیکھ کر بہت حیران ہوئی اور ایک عجیب خوشی بھی محسوس کر رہی تھی۔ آخر یہ بھی تو ایک جوڑا ہے جس کی شادی اتنی سادگی سے ہوئی، شادی کے لیے یہ ضروری

تو نہیں ہوتا کہ اس میں ابٹن، تیل، مہندی، ڈھولک، گیت، بینڈ باجے اور دیگر رسوم ہوں، اگر یہ نہ بھی ہوں تو شادی ہو جاتی ہے اور بہت ہی بابرکت ہوتی ہے۔ (خواتین کا اسلام شمارہ: ۱۱۸)

۳۔ شادی ایسے بھی ہوتی ہے: (ڈاکٹر زاہدہ پروین)

تقریباً پانچ سال پہلے کی بات ہے، بہاولپور کینٹ میں ایک کرنل صاحب کے ہاں نکاح کی تقریب تھی، تقریب بھی ایسی کہ ہمسایوں تک کو علم نہ تھا کہ آج یہاں نکاح ہونا ہے۔ لڑکے والوں نے چار بجے آنا تھا، تقریباً تین بجے کرنل صاحب نے اپنے دو دوستوں کو فون کیا کہ آج شام میری بیٹی کا نکاح ہے، آپ بھی شرکت فرمائیں۔

مقررہ وقت پر مہمان آئے، دلہن کو اس کی بہن نے تیار کیا۔ کرنل صاحب کی بیگم نے گھر میں ہی کیک اور سموسے وغیرہ بنائے، مٹھائی بازار سے منگوائی۔ عصر کی نماز کا وقت ہوا تو تمام مردوں نے باجماعت نماز ادا کی، دلہن بھی اٹھ کر دوسرے کمرے میں گئی اور نماز پڑھی۔ مغرب کے وقت یہ سادہ لیکن بہت اہم تقریب اختتام پزیر ہوئی۔

رخصتی ایک سال بعد ہونا تھی، لڑکی نے اپنی والدہ کو صاف کہہ دیا کہ اس نے کوئی جہیز لے کر نہیں جانا۔ والدہ نے ذرا برا منایا، بیٹی کو سمجھانے کی کوشش کی مگر بیٹی اپنی بات کی پکی تھی۔ اس کی اپنی بات کو اتنی اہمیت نہ دی جاتی، مگر ہوا یہ کہ رخصتی سے کچھ دن قبل داماد نے بھی گھر آ کر کہہ دیا کہ انکل آپ اسے جہیز بالکل نہیں دیں گے۔ یہ مسئلہ حل ہوا تو ماں نے بیٹی سے زیور کی بات کی، امی سارا کچھ تو میرے پاس ہے مزید زیور کا کیا کروں گی؟ کم از کم ٹیکا ہی بنوالو، وہ تو نہیں ہے۔ یہ تو مجھے بہت ہی فضول خرچی لگتی ہے، ٹیکا صرف شادی کے دن استعمال ہوگا اور پھر اس کا کوئی مصرف نہیں اس لیے میں نے نہیں بنوانا۔

اب شادی کی تیاری کرنی تھی۔ شادی کا کوئی ہنگامہ نہیں ہوا، نہ کارڈ نہ مایوں، نہ مہندی کا فنکشن نہ مہمانوں کا ہجوم، نہ ڈھولک نہ گیت اور رخصتی کا دن آن پہنچا۔ عام دنوں کی طرح والد صاحب دفتر گئے، بھائی نے ڈرائنگ روم میں مہمانوں کے بیٹھنے کے لئے صوفے اور کرسیاں ترتیب دیں اور منڈی سے پھل لے آئے۔ چھوٹی بہن کی دوست اور اس کی بڑی بہن کو رخصتی کی تقریب میں بلایا تھا تا کہ دلہن کو تیار کر سکیں۔ رشتہ داروں میں ماموں اور چچا آئے۔ مختصر افراد پر

مشتمل بارات دو پہر کو آئی اور رخصتی ہوگئی۔الحمد للہ! کسی اور کی نہیں میری اپنی شادی کی روداد ہے۔شادی سے پہلے یہ حدیث نظر سے گزری تھی: (مفہوم) ''وہ نکاح سب سے بابرکت ہے، جس میں کم سے کم خرچ ہو''۔ میں چاہتی تھی کہ میرا نکاح بھی بہت بابرکت ہو،لیکن پھر بھی کافی کوتاہیاں ہوگئیں۔(اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں)

مجھے کبھی یہ پچھتاوا نہیں ہوا کہ جہیز لے لیتی تو اچھا تھا، بلکہ خوشی ہے کہ اپنے والدین پر خواہ مخواہ کا بوجھ نہیں ڈالا۔ جب میری شادی ہوئی تو میڈیکل کے تیسرے سال میں تھی اوراب ہاؤس جاب بھی مکمل ہوگئی ہے اوراللہ نے دو بیٹوں سے بھی نوازا ہے۔

والدین نے اتنا پڑھایا،شعور دیا، آداب سکھلائے یہ کم جہیز ہے جو مجھے ملا۔میری دوسری بہن کی شادی ہوئی تو اس نے بھی جہیز نہیں لیا۔اگر ہم کسی کو سمجھائیں کہ شادی کی مقدس تقریب بے جارسوم اورنمائش کے بغیر کریں تو یہی جواب ملتا ہے کہ آج کل یہ ممکن نہیں۔

میں نے اپنی کہانی اس لیے سنائی ہے تاکہ آپ جان لیں کہ آج بھی یہ ممکن ہے، پس اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہونا چاہیے۔آج تک اس بات کاقلق ہے کہ شادی کا سوٹ بہت مہنگا لیا تھا ۲۷۰۰روپے کا،اس پراللہ تعالیٰ سے معافی مانگی ہے۔ (خواتین کا اسلام ۔شمارہ : ۱۰۹)

اللہ تعالیٰ میری تمام بہنوں کو یہی سوچ اورفکر نصیب فرمائیں۔جب ہماری بہنیں ہمت کریں گیں،تو یہ سب رسمیں ختم ہوں گی۔

۴۔مثالی شادی:(بنتِ محمد امین،لاکھانی)

بیٹی ایک بوجھ ہے یا ہم نے اسے بوجھ بنادیا ہے؟ بیٹی کی شادی ویسے بھی ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے، پھراوپر سے جہیز کی لعنت اور بیٹی ٹیکس (ساس نندوں کی پہناؤنیاں) نے والدین، خاص کر کے باپ کی کمر توڑ دی ہے۔ہمارا تعلق میمن برادری سے ہے، جہاں رسم ورواج شریعت کی طرح نافذ ہیں۔(نعوذ باللہ) ابھی حال ہی میں خاندان کے ایک دیندار گھرانے میں ہونے والی شادی نے ایسا تاثر چھوڑا کہ سننے والوں نے دانتوں تلے انگلیاں دیں۔دوسروں کے لیے ہوسکتا ہے کوئی انہونی بات نہ ہو؛مگر ہماری برادری جہاں رسم ورواج کی بہت پابندی ہے، وہاں یہ شادی بہت انہونی ہے۔دونوں خاندانوں کی مرضی سے طے پانے والے اس رشتے میں بھاری

بھرکم جہیز کی لعنت خارج تھی۔اور جو تھوڑا بہت بیٹی کو دیا اس کا نام کا بھی دکھاوا نہ کیا۔

نکاح مسجد میں سادگی کے ساتھ ادا ہوا، پردے کی سخت پابندی تھی، دلہن سجنے سنور نے بیوٹی پارلر نہیں گئی، بقول دیکھنے والوں کے چہرے پر نورانی حسن تھا، پھر دلہن کے والدین نے ٹیکسی سے اپنی بیٹی کو شوہر کے ساتھ رخصت کیا۔اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا اس طرح شادی ہو گئی ؟اتنی سادگی سے کہ نہ بارات آئی ،نہ رسم مہندی ،نہ مایوں ،نہ باجے گانے ، نہ بے پردگی کا بے ہنگم طوفان، نہ دکھاوے کے لیے جہیز ،نہ بیٹی ٹیکس جو دے دے کر بھی والدین اور بیٹی کو طعنے سننے پڑتے ہیں۔

ان لغو چیزوں کے بغیر شادی کا تصور کتنا عجیب لگتا ہے نا،مگر یہ تصور ہی ہمیں یعنی عورتوں کو اور ہماری آنے والی بیٹیوں کو پھر سے زحمت سے رحمت بنا دے گا۔اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس اندھیر نگری میں کون ہے جو عملاً ان شادیوں کا رواج ڈالے گا اور لغو رسوم و رواج کے خلاف محنت کرے گا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

۵۔اس میں سکون اور خوشی ہے: (سمیہ احمد، لاہور)

تقریباً چار سال پہلے کی بات ہے لاہور میں سلمان پارک کے علاقے میں میری رخصتی کی تقریب تھی۔ محلے کے کسی فرد کو بھی اس تقریب کا علم نہ تھا،لڑکے والوں نے عصر کی نماز کے وقت آنا تھا۔عصر کی نماز کے بعد میرے والد صاحب نے مسجد میں نمازیوں کے سامنے کھڑے ہو کر کہا’’آج میری بیٹی کی رخصتی کی تقریب ہے،تمام حضرات سے دعاؤں کی درخواست ہے‘‘۔اس شادی میں فوٹو،مووی،مہندی اور نہ ہی کوئی اور غیر شرعی رسم شامل تھی۔

صرف گھر کے افراد تھے ،نہ محلے دار نہ رشتہ دار۔لڑکے والے بغیر بینڈ باجوں کے تشریف لائے، بارات انتہائی مختصر تھی ،نکاح تین ماہ پہلے ہو چکا تھا جو خانقاہ دارالسلام (شیخوپورہ) میں اجتماع کے موقع پر ہوا۔شادی میں خالہ، ماموں، چچا کسی کو بھی نہیں بلایا گیا،رشتہ دار نہ بلانے کی وجہ سے ناراض ہوئے مگر کسی کی بھی پرواہ نہ کی۔

مجھے دوست چھوڑ دیں سب کوئی مہربان نہ پوچھے
میرا رب ہے کافی مجھے کل جہان نہ پوچھے

اب میری رخصتی ہوگئی۔اگلے دن میرے والدین ولیمے پر آئے،لیکن واپسی پر مجھے ساتھ نہیں لے گئے، کیونکہ یہ بھی ایک رواج ہے کہ لڑکی کو دوسرے دن میکے لے جایا جاتا ہے، اس طرح کے تمام غیرضروری اور غیرشرعی کاموں کوختم کیا گیا۔اگراس طرح کے شادی کے احوال کسی کو بتائیں تو وہ حیران رہ جاتے ہیں کہ اس دور میں اس طرح کی شادی ہوسکتی ہے۔

میں اپنی تمام بہنوں سے درخواست کرتی ہوں کہ غیرشرعی طریقوں کوختم کریں اور اپنی اور اپنے بچوں کی شادیاں سادہ شرعی طریقے پر کریں۔خرچ بھی کم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ بھی راضی ہوتے ہیں۔ان شاءاللہ تعالیٰ اسی میں سکون اور دائمی خوشیاں ہیں۔

(خواتین کا اسلام۔ شمارہ : ۱۱۵)

۶۔آسان نکاح:(اہلیہ،عمر بن عبدالوحید،کراچی)

''خواتین کا اسلام'' میں ایک خاتون کی شادی کے احوال پڑھے اور پھر ادارے کی طرف سے دی گئی دعوت کے بارے میں بھی پڑھا، بہت اچھا لگا اور بےاختیار دل چاہا کہ اپنی شادی کے بارے میں بھی لکھا جائے، ممکن ہے کسی کی دلچسپی اور ہدایت کا ذریعہ بن جائے۔ ہمارا گھرانہ دیندار ہے اور اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ ہمارے بڑے بھائی عالم دین اور مفتی ہیں۔ہم سب بہنیں شرعی پردہ کرتی ہیں۔ ہمارے خاندان سے ہی تین بھائیوں کا رشتہ ہم تین بہنوں کے لئے آیا، یہ گھرانہ بھی دینداراور شریعت کا پابند اور دارالافتاء والارشاد سے تعلق ہے۔

جب ہمارے والدین نے اس رشتے کو قبول کیا تو خاندان والوں کی طرف سے پہلا اعتراض یہ آیا کہ تین شادیاں ایک ساتھ منحوس ہوتی ہیں، یہ باتیں بےاصل ہیں، اس لیے اس اعتراض کو ہمارے والدین نے رد کر دیا۔خیر بات پکی ہوگئی ،لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا۔شادی سے چار ماہ پہلے والد صاحب کا انتقال ہوگیا تو خاندان والوں نے یہ اعتراض کیا کہ والدہ کی عدت میں کوئی خوشی نہیں کرنی چاہیے، مگر ہمیں اس رسم کو بھی توڑنا تھا، اس لیے امی کی عدت کے دوران ہی شادی کی تاریخ پکی کر دی گئی۔بارات میں صرف تینوں دلہے اور ان کے والدین تشریف لائے۔دلہنوں کو ان کی کزن نے گھر پر ہی تیار کیا۔ ہماری والدہ نے ہمیں دو دو سوٹ، ایک قرآن شریف اور جائے نماز دی تھی۔

تین ہزار روپے مہر مقرر ہوا اور نکاح ہو گیا، بعد میں اس مہر سے ہم نے قربانی کی اور اپنے زیور کی زکوٰۃ دی۔ مغرب کی نماز دلہنوں نے گھر پر اور مرد حضرات نے مسجد میں ادا کی، جس کے فوراً بعد رخصتی عمل میں آئی۔ اس طرح یہ سادہ مگر پروقار تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔ نکاح کو سادگی اور شریعت کے مطابق کرنے میں بے انتہا برکتیں اور ثمرات ہیں۔ ماشاءاللہ! ایک ہی گھر میں ہم تین بہنیں بہت خوش اور مطمئن زندگی بسر کر رہی ہیں۔ (خواتین کا اسلام۔ شمارہ : ۱۱۵)

۷۔ جب میرا بھائی دلہا بنا: (امّ عمر، پشاور)

میرا پیارا بھائی کمپیوٹر انجینئر ہے۔ اور نماز، روزہ کی پابندی کا ماحول تو شروع سے ہی تھا جس کی پختہ عادت بھی تھی، لیکن تبلیغی جماعت کے ساتھ جڑنے کی وجہ سے اعمال میں مزید نکھار پیدا ہو گیا۔ جو حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا نظر آتا بس اس طرف دل مائل ہو جاتا۔ جہاں بھائی کے رشتہ کی بات چلی تو میں نے تجویز پیش کی کہ ہم جہیز بالکل نہیں لیں گے، بھائی نے اٹھ کر خوشی سے ہاتھ میرے سر پر پھیرا۔ ہم نے حسب حیثیت کمرہ خود ہی سیٹ کر دیا، لڑکی والوں کو منع کر دیا کہ جہیز کے تکلفات میں ہرگز نہ پڑیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ شادی بھی سادگی سے ہوئی۔ بارات پشاور سے پنڈی آئی تھی، باراتیوں میں دولہا کا چھوٹا بھائی، والدہ، والد شامل تھے۔ دولہا کے بھائی نے نکاح پڑھایا، جب مسجد میں نکاح ہوا، ٹیکسی ڈرائیور حیرت سے کہنے لگا: مجھے تو معلوم ہی نہ تھا کہ آپ لوگ شادی کرنے جا رہے ہیں۔ وہاں پر کھانا جو گھر میں ہی تیار تھا وہ اصرار کر کے کھلایا گیا۔ واپسی پر میری پیاری بھابھی جو خود پابندی سے شریعت پر عمل کرتی ہیں، برقعہ، دستانے، موزے پہنے ہوئے تھیں۔ جب گھر پہنچیں تو استقبال کے لئے خاندان کی دیگر خواتین بھی موجود تھیں، بچے بچیاں بھی تھے مگر مجال ہے کسی نے تصویر بنانے کی بات تک کی ہو۔ اگلے دن ولیمہ تھا بالکل سنت کے مطابق ولیمہ کیا گیا۔

الحمدللہ! پانچ سال ہو گئے ہیں میرے بھائی کی شادی کو، گھر میں سکون وعافیت ہے۔ میری بھابھی بی ایس سی ہوم اکنامکس ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب سے ہدایت ملی تو اس وقت سے پابندی سے شرعی پردے پر گامزن ہیں۔ دو بچے ہیں معصوم پیارے سے، ان کو بہت ساری

مسنون دعائیں یاد ہیں اور ہر کام کی دعا کا اہتمام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے اور آئندہ بھی شریعت پر عمل کرنے کا راستہ کھلے رکھے، آمین۔

(خواتین کا اسلام۔ شمارہ: ۱۲۰)

۸۔اللہ تعالیٰ کا خوف: (اہلیہ محمد زبیر پراچہ، سرگودھا)

ضلع سرگودھا میں کچھ عرصہ قبل شادی کی ایک مختصر سی تقریب تھی، عشاء کے بعد مدنی مسجد تبلیغی مرکز سرگودھا میں نکاح کا پروگرام تھا۔ دولہا کے احباب کو مسجد میں ہی پہنچنے کی تاکید کی گئی، لڑکی کی طرف سے لڑکی کے تین بھائی، دو ماموں، باپ اور دو مہمان ان کے علاوہ شامل تھے۔ عشاء کے بعد نکاح مسنونہ پڑھایا گیا، حق مہر تین ہزار روپے مقرر رہوا۔ لڑکے نے جہیز لینے سے سختی سے انکار کر دیا، گھر کی تمام ضروریات کا سامان خود تیار کیا۔

لڑکے نے چند روز قبل ہی مختصر سا ہدیہ دلہن کو بھیج دیا تھا، جس میں صرف دو عدد سوٹ، ایک جوتا، برقع، دستانے، جرابیں شامل تھے۔ دولہن کو اس کی بہن نے تیار کیا۔ میکے والوں کی طرف سے کپڑے کے دو عدد جوڑے، جوتے ایک جوڑا، اور سونے کی بالیاں دی گئیں۔ مزید زیوروں اور آرائش سے دلہن نے اپنی بےزاری کا اظہار کیا۔

ماں نے اصرار کیا کہ ایک سیٹ سونے کا بنوا لیتے ہیں، لیکن الحمد للہ! دلہن نے کہا والدین نے مجھے قرآن پاک کی دولت جو عطا فرمائی ہے وہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حدیث پر عمل ہوا کہ وہ نکاح بابرکت ہے جس میں اخراجات کم سے کم ہوں۔ اور بے جا رسومات کا خاتمہ ہوا۔ ادھر دولہا نے حضرت محمد ﷺ کے فرمان کے مطابق ولیمے کا اجتماع کیا؛ جن میں تمام طبقات سے امیر وغریب لوگ بلائے گئے، چٹائی پر دسترخواں لگا کر انتہائی سادگی سے کھانا کھلایا گیا۔

الحمد للہ! نیوتہ کی رسم سے بھی اجتناب کیا گیا۔ دلہن کو والدین نے خود دلہا کے گھر پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دولہن کی ماں نے دولہا والوں کو نکاح کے بعد دیکھا اور دعا وسلام ہوا۔ دلہن کی بہنیں مکمل پردہ کرتی ہیں۔ آج تقریباً دو ماہ ہو گئے ہیں، لیکن ایک دوسرے کے گھر آنے جانے کے باوجود بے پردگی کا کوئی موقع نہیں آیا۔ یہ واقعہ میری اپنی شادی کا ہے، بہت خوشی ہے کہ ہم نے سنتوں پر عمل پیرا ہو کر شہیدوں کا ثواب حاصل کیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شادی

کو بابرکت بنائے۔ اور کسی بہن، بھائی کی رہنمائی کا ذریعہ بنادے کہ اس دور میں بھی صحابہ کرامؓ والی شادیاں ممکن ہیں، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اس کا خوف سب کام آسان کردیتا ہے۔

(خواتین کا اسلام۔ شمارہ: ۱۲۰)

۹۔ شریعت کی پاسداری کی بدولت عزت ملی: (امّ کلثوم فاطمہ، جھنگ صدر)

میرے والد محترم نے مجھے بچپن سے ہی دینی تعلیم دلوائی تھی، دنیاوی تعلیم کے لیے مجھے ایسے سکول میں داخل کرایا گیا جہاں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد میں نے گھر ہی میں بچوں بچیوں کو قرآن پاک پڑھانا شروع کردیا۔

والد صاحب کی خواہش تھی کہ میرا عقد نکاح کسی متشرع اور دیندار آدمی سے ہو۔ والد صاحب نے کئی رشتے محض اس بناء پر ٹھکرادیے کہ لڑکے کے چہرے پر داڑھی نہیں تھی۔

ان کی یہ خواہش بھی تھی کہ جس شخص کے ساتھ میرا عقد کیا جائے وہ ٹی وی اور وی سی آر سے متنفر ہو۔ نومبر ۲۰۰۰ء میں میرے رشتے کی بات چلی۔ آرمی کے ایک میجر کی تعیناتی ضلع جھنگ میں ہوئی، ان کے بارے میں پتہ چلا کہ موصوف کے چہرے پر داڑھی ہے، موسیقی، وی سی آر، سگریٹ، کرکٹ اور تاش سے حد درجہ متنفر ہیں۔

ان کا پسندیدہ جریدہ ''ضرب مومن'' ہے۔ مولانا عبدالحقؒ، مولانا رشید احمدؒ، مولانا عبدالحیؒ اور مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب اور دیگر علماء کرام سے گہری عقیدت ہے۔ والد صاحب نے فوراً ہاں کردی اور نکاح اور رخصتی کیلئے ایک ہفتہ کی مہلت دے دی۔ میرے ہونے والے خاوند نے یہ شرط لگائی کہ جہیز ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور نکاح و رخصتی کے دن رات کوئی غیر شرعی عمل یا تقریب نہیں ہوگی۔ نکاح کے دن دلہا کے ساتھ مختصر افراد سرگودھا سے جھنگ آئے، نہ کوئی بینڈ باجا تھا، نہ کوئی موسیقی اور نہ ہی کوئی مہندی کی تقریب۔ مرد حضرات کے لیے الگ انتظام تھا اور خواتین کے لئے الگ پردہ داری کا اہتمام تھا۔ مہمان چونکہ دور سے آئے تھے، لہٰذا ان کے لیے مختصر کھانے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ کھانے کے بعد مہمانوں اور میزبانوں نے ظہر کی نماز ادا کی۔

میں نے نماز ظہر ادا کرکے اپنے نئے سفر کی تیاری کی، میری تیاری بھی انتہائی سادہ انداز میں ہوئی، اس کے بعد دودھ پلائی وغیرہ کی کوئی رسم نہیں ہوئی۔ نماز عصر کے فوراً بعد میرے والد

صاحب نے مجھے "فی امان الله" کے الفاظ کے ساتھ پرنم آنکھوں سے رخصت کیا۔

اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ عین رخصتی کے وقت ہلکی ہلکی باران رحمت نازل ہوئی،۔رخصتی کے بعد میں اپنے گھر پہنچی تو مشاہدہ کیا کہ الحمدللہ! ہمارا گھر ٹی وی اور وی سی آر کی لعنت سے محفوظ ہے۔گھر میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سب کچھ ہے، تاہم غیر شرعی خرافات سے محفوظ ایک ٹیپ ریکارڈ موجود تھا؛ جس میں مولانا عبدالشکور دین پوریؒ، علامہ دوست محمد قریشیؒ، مولانا عبدالمجید ندیم شاہ کے ایمان افروز بیانات سنے جاتے تھے۔

ولیمہ کا اہتمام کیا گیا؛ جس میں گاؤں کے غریب دیندار اور تبلیغی ساتھی مدعو کیے گئے۔ ولیمے کا کھانا میں نے خود تیار کیا تھا۔میرے خاوند کے اصرار پر کوئی جہیز وغیرہ نہیں دیا گیا اور نہ ہی زیورات کی نمائش ہوئی، نہ ہی مجھے مایوں بٹھایا گیا اور نہ ہی کوئی اور رسم ہوئی۔اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی آج تک میں نے نہ تو اپنے خاوند کی نافرمانی کی ہے اور نہ ہی ان کی والدہ محترمہ سے معمولی جھگڑا کیا ہے۔اللہ تعالیٰ کے احکام اور رحمت عالمﷺ کے پاکیزہ اور مبارک طریقوں پر چلنے کی کوششیں کرتی ہوں۔

الحمدللہ! مجھے اپنے خاوند اور ان کے خاندان سے جو عزت ملی ہے؛ وہ فقط دین کی وجہ سے ہے۔میری تمام اہل اسلام سے گزارش ہے کہ اپنے بچے اور بچیوں کے رشتے ناطے طے کرتے وقت دینداری کے تقاضوں کو ملحوظ رکھیں۔ ہمارے گھر کے پسندیدہ اخبارات ہفت روزہ ''ضرب مومن''، روزنامہ ''اسلام'' اور ماہنامہ ''القاسم'' ہیں۔الحمدللہ! ہمارے مہمانوں کی غالب اکثریت دیندار لوگوں اور علمائے دین پر مشتمل ہوتی ہے۔(خواتین کا اسلام۔ شمارہ : ۱۱۱)

۱۰۔بابرکت شادیاں: (اہلیہ شمس الحق، لاہور)

میرے والد محترم پاکستان ائیر فورس میں ملازم تھے، گو وہ عالم یا حافظ نہ تھے لیکن دین سے لگاؤ اور محبت تھی۔PAF لاہور میں تبلیغی جماعت کے ساتھی کی محنت و کوشش سے میرے والد صاحب ۴۰ دن تبلیغ کے لیے گئے ،تو یوں اللہ تعالیٰ نے انہیں قبول فرما لیا۔میں نے ایف اے کی تو میرے والد صاحب نے ایک عالم دین سے میری نسبت طے کر دی۔مقررہ تاریخ پر دلہا، دلہا کے والد اور دو بہنیں بارات کی شکل میں ایک کار پر ہمارے گھر آئے۔PAF کی مسجد میں میرا نکاح

ہوا،سب نمازی حیران رہ گئے، ہمارے گھر میں بھی کوئی مہمان مدعو نہ تھا۔میری ایک سہیلی نے مجھے تیار کیا اور نہایت سادگی سے والدین کی دعاؤں کے ساتھ میں رخصت ہوگئی۔

الحمدللہ! وہاں جا کر نماز مغرب ادا کی۔شادی کے تقریباً تین سال بعد میری چھوٹی بہن نے میٹرک کا امتحان دیا ہی تھا کہ والد صاحب PAF سے ریٹائرڈ ہو گئے،اسی دوران انہوں نے چھوٹی بہن کی شادی کی تاریخ بھی مقرر کر دی۔بہن کی رخصتی والے دن مجھے والد صاحب نے صبح فون کیا کہ آج تمہاری بہن کی رخصتی ہے،آپ لوگ آ جاؤ۔میں اپنے شوہر کے ساتھ والدین کے گھر آئی تو کوئی مہمان مدعو نہ تھا۔میری بہن نے خود گھر کی صفائی کی۔شام چار بجے دلہا،اس کی والدہ اور بہن کار میں آ گئے۔والدہ نے گھر پر کھانا تیار کیا ہوا تھا۔یوں میری بہن بھی والدین کی دعاؤں سے رخصت ہوگئی۔

والد صاحب عصر کی نماز پڑھنے مسجد میں گئے،مسجد بالکل گھر کے ساتھ ہے،مسجد کے قاری صاحب نے والد صاحب سے پوچھا کہ آج آپ کے ہاں مہمان آئے ہوئے تھے؟ والد صاحب نے بتایا کہ چھوٹی بیٹی کی رخصتی تھی،تو وہ حیران رہ گئے،والد صاحب نے بتایا نکاح پہلے رائیونڈ مرکز میں ہو چکا تھا۔پھر بھائی کی شادی کا موقع آیا، بھائی بھی PAF میں ملازم تھے۔نکاح رائیونڈ میں ہوا۔

شادی کی مقررہ تاریخ پر میں، بھائی اور والدہ کار میں بھابھی کو لینے گئے۔دولہن والوں نے ہمیں کھانا کھلایا اور کہا کہ سنت پر عمل کرتے ہیں اگر آپ ساتھ دیں تو،ہم نے کہا وہ کیا،انہوں نے بتایا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کو نکاح کے بعد خود حضرت علی المرتضٰی ؓ کے گھر پہنچوایا تھا۔(ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ام ایمنؓ سے فرمایا، جاؤ فاطمہ کو علی کے گھر پہنچا آؤ، چنانچہ حضرت ام ایمنؓ حضرت فاطمہؓ کو چھوڑ آئیں)لہٰذا ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم بھی یہ سنت زندہ کریں۔

ہم بہت خوش ہوئے اور انہیں اجازت دے دی، یوں ہم بغیر دلہن کے گھر آ گئے۔مغرب کے قریب وہ ہمارے گھر پہنچے، دلہن،اس کی والدہ اور بھائی تھے۔ہم نے دلہن کو گیٹ سے اس کے کمرہ تک پہنچایا۔ہم دونوں بہنوں اور بھائی کی شادی پر نہ ابٹن، نہ تیل، نہ مہندی، نہ ڈھولک،

گیت ناچ، بینڈ باجے اور دیگر رسوم میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔

الحمدللہ! ہم اپنے گھروں میں خوش وخرم ہیں، میرے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔الحمدللہ! دو بیٹے اور ایک بیٹی حافظ قرآن بن چکے ہیں۔شادی نئی زندگی کا آغاز ہے،اس کی بنیاد اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ کے طریقوں پر ہوگی تو دنیا وآخرت میں کامیابی حاصل ہوگی۔

(خواتین کا اسلام۔ شمارہ : ۱۲٤)

۱۱۔سارا جہاں ناراض ہو پرواہ نہ چاہیے:(امّ سیف وعبدالرحمٰن ، بہاولنگر)

آج میں آپ کو اپنے تین بھائیوں کی شادی کی روداد سناتی ہوں؛ جن کی شادیاں نہایت سادگی سے ہوئیں۔الحمدللہ! ہمارا گھرانہ ایک دیندار گھرانہ ہے۔میری والدہ ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتی تھیں کہ یا اللہ! میرے بیٹوں کے لئے اچھے رشتے ہوں، کیونکہ تیرے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔امی یہ دعا مانگتی کہ یا اللہ! مجھے اس بات سے بچا کہ میں کسی کی بیٹی دیکھنے جاؤں اور انکار کر کے واپس آجاؤں۔میری امی کی دعائیں قبول ہوئیں اور کسی نے بڑے بھائی کے لئے رشتہ بتایا،تو امی نے رشتہ دیکھنے کے لیے جانے سے پہلے دو نفل ادا کیے، دعا مانگی اور چل دیے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے لڑکی پسند آگئی۔ بعد میں مجھے اور میری بڑی بہن کو بتایا کہ تمہارے بھائی کی منگنی کر دی ہے اور ایک ماہ بعد شادی ہے۔

میرے ملنے والے حیران تھے کہ بڑی بہن کو منگنی میں نہیں بلایا اور منگنی کر لی، کیسے عجیب لوگ ہیں؟ میں شادی سے تین چار روز پہلے والدین کے گھر چلی گئی،اس شادی میں میرے علاوہ بڑی بہن اور بھائیوں کے چند دوست شامل تھے۔نہ مہندی ہوئی نہ مائیاں اور نہ ہی لائٹنگ وغیرہ کی گئی۔بارات میں امی،ابو جان، بھائی اوران کے دوستوں کے علاوہ کوئی شامل نہ تھا، بارات نے دولہن کے گھر کھانا بھی نہیں کھایا۔بارات جو عصر کے بعد روانہ ہوئی تھی،مغرب سے پہلے دلہن کو لے کر بغیر جہیز کے واپس آگئی۔(خواتین کا اسلام)

۱۲۔ایک سادی شادی:(مفتی اسداللہ نعمانی)

مفتی اسداللہ نعمانی صاحب اپنے بھائی کی شادی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بیس ذی الحج ۱۴۱۹ھ بعد نماز عشاء تمام بھائی حضرت والد صاحب کی خدمت میں

حاضر تھے، اچانک چھوٹے بھائی حافظ حبیب عثمان کی شادی کی بات چل نکلی۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ کل ہی شادی ہوجائے اور یہ بھی اس وقت طے ہوا کہ چچا صوفی اللہ بخش کے ہاں شادی ہوجائے۔ چچا صاحب بھی وہیں آئے ہوئے تھے۔ پس جب بات طے ہوگئی تو تمام اہل خانہ سو گئے۔ صبح نماز پڑھی اور پھر تمام حضرات اپنے معمولات میں مصروف ہوگئے۔

دس بجے کے قریب حضرت والد صاحب، برادر حضرت مولانا عبداللہ ابوبکر، برادر محترم مولانا عبدالرحمان جامی مدظلہ، برادر مولانا عبیداللہ صاحب قاسم، بازار تشریف لے گئے۔ اور ایک جوڑا دولہا صاحب کا اور ایک جوڑا دلہن صاحبہ کا اور معمولی سامان بھی خود خرید لائے۔ دن میں کپڑوں کی سلائی ہوگئی۔ ۲۱ ذی الحج بعد نماز مغرب مدرسہ ابی بکر صدیقؓ میں نو بجے نکاح ہوگیا اور اگلے دن بعد نماز ظہر ولیمہ ہوگیا۔ صرف بھائیوں کے دوست اور محلّہ کے چند احباب شامل تھے، کھلانے کا فرشی انتظام کیا گیا تھا۔ یوں یہ بابرکت شادی بخیر وخوبی انجام پائی۔

اسی طرح دوسرے دونوں بھائیوں کی شادیاں ہوئیں۔ لڑکی والوں کو پہلے سے منع کردیا جاتا تھا کہ ہم نہ جہیز لیں گے نہ کھانا کھائیں گے۔ چھوٹی بھابھی کی والدہ کے بے حد اصرار کے باوجود میرے والدین بنا ہوا جہیز چھوڑ کر آگئے۔ اور ابو جی نے یہ کہا کہ آپ دیکھیں تو سہی آپ کی بیٹی کا گھر بغیر جہیز کے سجتا ہے یا نہیں۔ الحمد للہ رب العالمین میری تینوں بھابھیاں اپنے گھر میں شادو آباد ہیں اور بچوں والیاں ہیں۔ اور سب ہی شرعی پردہ کرتی ہیں اور سب لوگ ایک ہی گھر میں رہ رہے ہیں۔ اللہ ہمیشہ شادو آباد اور خوش وخرم رکھے‘‘۔(ماھنامہ ’’حیاء‘‘ کراچی)

۱۳۔سادگی میں بھلائی: (ن،م۔ بالاکوٹ)

میرا نکاح رائیونڈ اجتماع کے موقع پر ہوا۔ واپسی پر میرے والد محترم نے سسرال والوں کو پیغام بھیجا کہ ہم اپنی بیٹی کی رخصتی کرنا چاہتے ہیں، آپ اپنی تیاری کرلیں۔ میرے خاوند نے شادی کے موقع پر جو چیزیں میرے لیے بنائی تھیں وہ مندرجہ ذیل تھیں: ایک جوڑا کپڑوں کا، ایک

عدد دوپٹہ، ایک جوڑا جوتے کا، دستانے اور برقعہ جو شادی سے پہلے ہمارے گھر بھجوائے گئے۔ باقی اس کے علاوہ کوئی چیز نہیں تھی، نہ خاوند کی طرف سے نہ اپنے والدین کی طرف سے۔

میری رخصتی انتہائی مختصر اور سادہ طریقے پر ہوئی۔ عشاء کی نماز کے بعد میرے والد محترم مجھے ساتھ لے کر سسرال والوں کے گھر جب پہنچے، تو سسرال والوں نے میرا استقبال کیا۔ گھر کی ساری عورتیں مجھے بڑی خوشی سے ملیں اور مجھے ایک کمرے میں بٹھا دیا؛ جو نہایت ہی سادہ اور صاف ستھرا تھا۔ سب سے پہلے گھر والوں نے نماز عشاء کا پوچھا، تو میں نے کہا ہم عشاء کی نماز گھر پڑھ کر آئے ہیں اور ہاتھ میں انہوں نے جائے نماز بھی اٹھائی ہوئی تھی۔ میں نے کہا: میں باوضو ہوں، میں نے صرف دو رکعت نفل پڑھنے ہیں، میں نے نفل ادا کیے۔

ولیمہ کے موقع پر لوگوں کو دعوت دی گئی۔ اس موقع پر محلے کی مسجد کے امام صاحب نے سادہ اور سنت کے مطابق شادی کے فضائل بیان فرمائے۔ اتنے میں گھر والوں نے مختصر کھانا تیار کر لیا اور دستر خوان بچھا دیا، اس کے بعد سب نے مل کر کھانا کھایا۔ یہ ایک سادہ اور مختصر سا ولیمہ تھا جس میں سب کا گھنٹہ خرچ ہوا۔ سب لوگ بڑے خوش ہوئے، غریبوں کی جان میں جان آئی۔ اور مختصر اور سادہ شادی کو دیکھ کر اور لوگوں نے اپنے بچوں اور بچیوں کی شادی سادگی سے کی۔ سادگی میں خیر و برکت بھی ہے اور کئی پریشانیوں سے حفاظت بھی۔ (خواتین کا اسلام۔ شمارہ: ۱۲۲)

۱۴: سادہ شادی کی برکات: (امّ حفصہ، راولپنڈی)

میں اپنی بہنوں کو اپنی شادی کا حال بیان کرنا چاہتی ہوں، خاص طور سے ان لڑکیوں سے جو پردہ تو کرنا چاہتی ہیں مگر حوصلہ نہیں کر پاتیں۔ میرا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جہاں پردے کا تصور ہی نہ تھا۔ ٹی وی، گانے، ڈائجسٹ اور ہر وہ چیز جو خدا کی یاد سے غافل کرے، اس میں بری طرح جکڑی ہوئی تھی۔ جب بارہ سال کی تھی تو ابو بیمار ہو گئے، تین سال تک میں نے ان کی کربناک کیفیت دیکھی، اور میری عمر جب پندرہ سال کی ہوئی تو والد انتقال کر گئے۔ میں ابو کی اکلوتی بیٹی تھی، ہم دونوں میں بہت پیار تھا، آہستہ آہستہ میں نے پڑھائی میں دلچسپی کم کر دی اور نماز پڑھنے لگی جو پہلے پابندی سے نہ پڑھتی تھی۔

اس دوران میرا دین کی طرف رجحان بہت بڑھ گیا۔ میری امی نے میری منگنی ایک بے پردہ

گھرانے میں کردی۔ میرا عالمہ بننے کا ارادہ ہوگیا، اس کا ذکر جب امی نے ہونے والی ساس سے کیا تو وہ کہنے لگیں ''اس طرح اگر اس نے عالمہ بننا ہے، تو وہ نہ ہمارے قابل رہے گی اور نہ ہی آپ کے''۔ جب ان کا یہ جواب میں نے سنا، تو میں نے امی سے کہا کہ وہ لوگ تو مجھ پر شادی کے بعد بہت پابندیاں لگائیں گے، مجھے پردہ کرنے نہیں دیں گے، اس لیے آپ انہیں انکار کردیں۔

میں نے ایک مدرسہ میں داخلہ لے لیا، جہاں مجھے شرعی پردہ کا پتہ چلا اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونے لگا، میں نے چہرے کا پردہ بھی شروع کردیا۔ پورے خاندان میں صرف میری خالہ اس تبدیلی سے خوش ہوئیں۔ قرآن مجید ترجمے سے شروع کیا تو دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی تھی:

''یا اللہ! میرے دین کی حفاظت کرنا، کہیں دنیا کی رنگینیوں میں دوبارہ نہ رنگی جاؤں''۔

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کی اور میرے لیے ایک حافظ قرآن کا رشتہ آگیا۔ جب مجھے ان کی دینی حالت کے متعلق تسلی ہوگئی تو میں نے استخارہ کیا۔ وہ لوگ ایسی ہی لڑکی چاہتے تھے جو ٹی وی نہ دیکھے اور بے پردگی نہ کرے۔ اس طرح میرا نکاح بہت سادگی سے ہوگیا۔ شادی سے پہلے نہ میں بیوٹی پارلر گئی اور نہ ہی مہنگا جوڑا خریدا، بلکہ محلے والوں تک کو خبر نہ ہوئی کہ میری شادی ہوگئی ہے۔

الحمدللہ! میرے سسرال میں تمام لوگ نماز اور پردے کے پابند ہیں اور ان کے گھر ٹی وی نہیں۔ انہوں نے جہیز وغیرہ کا مطالبہ بھی نہیں کیا۔ اس شادی کی میں نے بہت برکات دیکھیں۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد میں اور میرے شوہر رمضان المبارک میں عمرہ کرنے گئے۔ میرا ایمان ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا میرے لیے تحفہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پیاری بیٹی سے نوازا جسے میں عالمہ اور حافظہ بناؤں گی۔

بہنو! آپ سب میرے لئے دعا گو رہیں۔ اور میرا آپ کے لیے پیغام ہے کہ سنت کے مطابق شادی کرنے کی برکات بہت زیادہ ہوتی ہیں، اس لیے لوگوں کی پرواہ کیے بغیر اس طرح شادی کرنے کا اہتمام کریں جس طرح پیارے نبی کریم ﷺ نے خاتون جنت کی شادی کی تھی۔ (خواتین کا اسلام)

۱۵۔خوشی کا دن: (عائشہ، کراچی)

یہ شادی جس کی روداد میں آپ کو سنانے جا رہی ہوں میری بہن کی دوست کی شادی ہے۔ میری بہن کی دوست ماشاءاللہ عالمہ ہیں، ان کا پورا گھرانہ دیندار ہے۔ان کے لئے ایک عالم اور مفتی کا رشتہ آیا؛ جن کا گھرانہ بھی مکمل دیندار ہے۔لڑکے نے جہیز لینے سے انکار کر دیا اور ضرورت کا سامان خود ہی بنایا۔ نکاح پہلے ہی ہو چکا تھا، جس دن رخصتی تھی وہ دن بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔اس دن سوائے دو دوستوں کے کسی کو مدعو نہیں کیا گیا، باقی رشتے دار اور سہیلیاں خود ہی اپنی خوشی سے آگئیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی بندوں کو اس سے راضی کر دیتے ہیں۔

یہ تقریب سادگی سے گھر پر کی گئی، دس بجے کے قریب دلہا والے آئے اور وہ بھی گنتی کے صرف چار پانچ افراد تھے۔دلہا، اس کے والدین اور ایک بہن، وہ لوگ تھوڑی دیر بیٹھے، اس کے بعد رخصتی عمل میں آئی۔دلہن کو ایک جوڑا اور دو تین تحفوں کے ساتھ رخصت کر دیا گیا۔اس کے بعد ولیمہ بھی مکمل سنت طریقے سے کیا گیا، مدنی مسجد میں تبلیغی ساتھیوں کو دودھ کا شربت پلایا گیا۔ یہ ولیمہ تھا جس میں عہد نبوی ﷺ کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔

الحمدللہ! آج بھی سنت نبوی ﷺ پر عمل کرنے والے لوگ موجود ہیں۔ اکثر یہ کہہ کر پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں کہ زندگی میں ایک مرتبہ تو یہ خوشی کا موقع آتا ہے۔آپ بے شک خوشیاں منائیں لیکن خوشی منانے کا یہ طریقہ اختیار کریں جو ہمارے نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔اللہ تعالیٰ! ہم سب کو سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

۱۶۔ پیاری شادی: (محمد نصر اللہ)

ہمارے عزیز بھائی محمد سلیم صاحب، اللہ کی رحمت سے سنت کے شیدائی اور خلافِ سنت کاموں سے متنفر ہیں۔اسی جذبہ کے تحت انہوں نے اپنے عزیزوں: محمد حبیب الرحمٰن اور محمد اسامہ کی شادی سنت کے مطابق کر کے اپنی برادری کو عملی طور پر بتا دیا ہے کہ اس دور میں بھی سنت کے مطابق شادیاں ہوسکتی ہیں۔الحمدللہ! بھائی سلیم نے گھر کی ضروریات کا خود ہی انتظام کیا، جہیز کا نام ونشان نہ تھا۔مہندی، مایوں اور نیوتہ کا عملی بائیکاٹ ہوا۔ولیمہ کے موقع پر بندہ نے

شادی کے متعلق بیان کیا۔

۱۷۔ حَسِین وجمیل شادی: (محمد نصر اللہ)

میرے انتہائی محترم دوست بھائی ابوزبیر حفظہ اللہ کی شادی کی کہانی بہت ہی دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ میرے یہ دوست اوران کے سسرال اس دور میں شریعت کی چلتی پھرتی یادگاریں ہیں۔ الحمدللہ! ان کے سسرال نے شریعت کے ہر حکم کو زندہ کیا ہوا ہے۔ ان کی شادی اور غمی شریعت کے عین مطابق ہوتی ہے۔ ان کی شادیوں کو دیکھ کر آپ تو حیرت زدہ ہی رہ جائیں گے۔ عام طور پر جب شادی ہوتی ہے، تو مہینوں پہلے اس کے چرچے ہوتے ہیں؛ لیکن اس خاندان میں شادی ایسے ہوتی ہے؛ جیسے نفل نماز۔ بالکل آسان، بالکل سادہ اور خوشیاں بھری شادی۔ اچانک بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ فلاں عزیز اور عزیزہ کی شادی آج ہی کردی جائے، تو وہ شام شبِ عروسی ہوتی ہے۔ جہیز، منگنی اور بارات کا نام ونشان ہی نہیں ہوتا۔

اسی خاندان کے نامور بزرگ حضرت عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کی باحیاء بیٹی سے ہمارے دوست ابوزبیر صاحب کی شادی سرانجام پائی۔ دلہا سمیت ہم پانچ افراد دلہن کے گھر نکاح کے لیے گئے، نکاح پڑھانے کی سعادت مجھ ناچیز کے حصہ میں آئی۔ علماء اور عشاق دین کے جھرمٹ میں نکاح مسنونہ کے بعد بغیر جہیز کے دلہن اپنی منزل مقصود تک پہنچ گئی۔

اہل خیر کی خدمت میں عاجزانہ گزارش:

آپ نے توجہ سے کتاب پڑھ لی ہے، امید ہے کہ آپ کو کتاب میں باحوالہ مضامین سے اتفاق ہوگا۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اپنی زندگی میں تبدیلی پیدا کیجئے۔ اپنی شادیوں کو منکرات اور گناہوں سے پاک کیجئے۔ سنت کے موافق سادہ اور آسان انداز میں شادی کو رواج دیجئے۔ اپنے پیارے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کیجئے، برادری اور علاقوں کو ان پر ترجیح مت دیجئے۔ اہلِ خیر اس کتاب کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کرکے مسلمان بھائیوں تک پہنچائیں۔ اپنے محلّہ میں نوجوانوں کی ''جہیز مخالف'' کمیٹی بنائیں، وہ نوجوان عزم کریں کہ ہم اپنی شادیوں میں جہیز نہیں لیں گے؛ بلکہ گھر کی ضروری اشیاء خود ہی تیار کریں گے۔ نیز یہ جوان اچھے اوراخلاق سے بھرپور انداز میں آسان شادی تحریک کا پیغام عام کریں۔ آج ۲۵ ذوالحج ۱۴۳۹ھ، بمطابق ۵ ستمبر ۲۰۱۸ء، بروز بدھ اس کتاب کی نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر صدقہ جاریہ بنائیں، آمین۔

مصادر ومراجع

نام کتاب	نام مصنف	مطبوعہ
قرآن کریم		تاج کمپنی، لاہور
بخاری شریف	امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ	بیروت
سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید ابن ماجہؒ	المکتبۃ الفاروقیہ، ملتان
سنن نسائی	احمد بن شعیب النسائی	مکتبہ سلفیہ، لاہور
سنن دارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمیؒ	دارالباز مکہ مکرمہ
سنن دارقطنی	علی بن عمر الدار ارقطنیؒ	دارالفکر بیروت
مشکوٰۃ شریف	امام ولی الدین محمد بن عبداللہؒ	قدیمی کتب خانہ، کراچی
معارف القرآن	مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ	مکتبہ معارف القرآن کراچی
معارف الحدیث	مولانا منظور احمد نعمانی صاحبؒ	دارالاشاعت کراچی
الدر المنضود	مولانا محمد عاقل صاحب	مظاہر علوم سہارن پور انڈیا
نیل الاوطار	قاضی محمد بن علی شوکانیؒ	مطبع مصطفی البانی، مصر
نور الانوار	ملا جیون رحمہ اللہ تعالیٰ	مکتبہ رحمانیہ، لاہور
تحفۃ العلماء	مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ	مکتبہ حقانیہ، ملتان
توضیح الاحکام من بلوغ المرام	شیخ عبداللہ بن سبیل حفظہ اللہ	مکہ مکرمہ
خیر الفتاویٰ	مفتی محمد انور صاحب	مکتبہ امدادیہ، ملتان
اسلامی شادی	مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ	مکتبہ محمودیہ، لاہور
آپ بیتی	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ	المیزان، لاہور
جہیز ایک غیر اسلامی تصور	مولانا شہاب الدین ندوی	نشریات اسلام، کراچی
حیاۃ الصحابہؓ	مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ	مکتبہ الحسن، لاہور
خواتین کا اسلام	مولانا محمد احمد حافظ	ادارہ روزنامہ اسلام کراچی
اوجز المسالک شرح مؤطا مالک	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ	ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان

البدایہ والنہایہ	علامہ ابن کثیرؒ	دارالفکر بیروت
نکاح کتنا آسان کتنا مشکل	مولانا شہاب الدین ندویؒ	مجلس نشریات اسلام، کراچی
شاہراہ سنت	مولانا عبدالشکور قاسمیؒ	
ہدایہ	علی بن ابی بکر المرغینانیؒ	ایچ ایم سعید، کراچی
آپ کے مسائل اور ان کا حل	مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ	مکتبہ بینات، کراچی
فلسفہ نکاح اور مسائل طلاق	خواجہ ابوالکلام صدیقی	قاری عبدالرحمٰن رحیمی، ملتان
اصلاحی بیانات	مولانا عبدالرؤف سکھروی	میمن اسلامک پبلشر، کراچی
کشف الباری	مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم	مکتبہ فاروقیہ، کراچی
فتاویٰ رشیدیہ	مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
سیرۃ النبی ﷺ لابن ہشام	علامہ ابن ہشامؒ	دارالفکر بیروت
تفسیر ابن کثیر	ابوالفداء اسماعیل بن کثیرؒ	دارالفکر، بیروت
تنبیہ الغافلین عن اعمال الجاہلین	علامہ ابن النحاسؒ	مکتبۃ العصریہ، بیروت
شادی بیاہ کی رسومات	حافظ صلاح الدین یوسف	دارالاندلس، لاہور
مجالس حکیم العصرؒ	مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ	مکتبہ المجید، کہروڑ پکا، لودھراں
مجموعۃ الفتاویٰ	مولانا عبدالحی لکھنویؒ	ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
دعوت وتبلیغ کے اصول واحکام	مولانا اشرف علی تھانویؒ	ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان
شادی کی رسومات کی اصلاح	مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ	ادارہ تالیفات اختر، کراچی
جہیز کی حقیقت	مولانا شاکر علی نوری	انڈیا
مجموعۃ الفتاویٰ	علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ	بیروت
اسلامی شادی	مولانا محمد نصر اللہ	تحریک اصلاح معاشرہ، خانواہ

☆☆☆